سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

ابو فراس حمدانی عباسی دور کا شاعر ہے۔ وہ اپنے ایک قصیدہ میں کہتا ہے:

إذا ما أرسلَ الأمراءُ جيشاً
إلى الأعداءِ أرسلنا الكتابا

یعنی ہماری دھاک کا یہ عالم ہے کہ جہاں دوسرے امراء کو مقابلہ کرنے کے لئے لشکر بھیجنا پڑتا ہے وہاں ہم صرف خط بھیج دیتے ہیں اور وہی فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہو جاتا ہے

---

شاعر نے ایک شعر میں سیاست کا راز بتا دیا ہے۔ سیاست یہ نہیں ہے کہ حریف سے براہ راست لڑائی چھیڑ دی جائے۔ سیاست یہ ہے کہ اپنے آپ کو اتنا طاقت ور اور مستحکم بنایا جائے کہ جب ضرورت پڑے تو ایک تحریری وارننگ بھیج دینا معاملہ کو ختم کرنے کے لئے کافی ہو۔

شمارہ ۱۶
مارچ ۱۹۷۸

زر تعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
دو روپے

## فہرست



حدیث میں ہے کہ آدمی کبھی ایک بھوکے اور پیاسے کو نظرانداز کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں ایک معمولی آدمی کو نظرانداز کر رہا ہوں۔ حالانکہ وہ رب العالمین کو نظرانداز کر رہا ہوتا ہے۔

اسی طرح آدمی کبھی ایک پیغام کو نظرانداز کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں ایک معمولی آدمی کی بات کو نظرانداز کر رہا ہوں۔ حالاں کہ وہ رب العالمین کی بات کو نظرانداز کر رہا ہوتا ہے۔

ایسے لوگوں کی نفسیات دنیا میں تو یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے کو ہوشیار اور کامیاب سمجھتے ہیں۔ اپنے عمل پر شرمندہ ہونے کے بجائے فاتحانہ انداز سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ مگر جب وہ مرنے کے بعد آخرت کے عالم میں کھڑے کئے جائیں گے تو انھیں دکھائی دے گا کہ ان سے زیادہ نادان اور کوئی نہ تھا۔ ان کو ایسا محسوس ہوگا گویا زمین و آسمان نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

اس وقت وہ جانیں گے کہ دنیا میں اپنی جس زندگی پر وہ نازاں تھے، خدا کی نظر میں اس کی کوئی قیمت نہ تھی۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی سنت امتحان تھی جس نے ان کو زمین میں زندگی کا موقع دے رکھا تھا۔ امتحان کی مدت ختم ہونے کے بعد ان کو اپنا وجود اس سے بھی زیادہ بے حقیقت نظر آئے گا جتنا کہ مکھی اور مچھر۔

# جب کسی کے لئے یہ موقع نہ ہوگا کہ حق کو ٹھکرا کر بھی وہ حق کا چیمپین بنا رہے

کسی کے اسلام نے اس کو یہ اطمینان عطا کیا ہے کہ جنت کے محلات اس کے لئے رزرو ہیں۔ کسی کے اسلام نے اس کو تقریر و خطابت کا شاندار عنوان دے رکھا ہے۔ کسی کا اسلام اس کو انقلاب عالم کا چیمپین بنائے ہوئے ہے۔

بخدا یہ وہ اسلام نہیں جس کو رسول اور اصحاب رسول نے پایا تھا۔ لوگ اگر اس اسلام کو پالیں تو ان کی زبانیں بند ہو جائیں۔ ان کی آنکھیں آنسو بہائیں اور ان کے دل خدا کے خوف سے لرز اٹھیں۔ روشنی کے بجائے تاریکی اور پر رونق مجالس کے بجائے تنہائیاں ان کی محبوب ترین چیز بن جائیں۔ دوسروں کے سامنے شاندار تقریروں کا کرشمہ دکھانا ان کو بے ہودہ فعل معلوم ہونے لگے۔ اپنی غلطیوں اور حماقتوں کا جائزہ لینے میں وہ اتنا مشغول ہوں کہ دوسروں کے پیچھے دوڑنے کی انھیں فرصت نہ رہے۔

آج کی دنیا میں آدمی کھاتا پیتا ہے۔ گھر بناتا ہے۔ عہدے اور مناصب حاصل کرتا ہے۔ اعزازات وصول کرنے کے لئے دوڑتا ہے۔ یہ صورت حال اس کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہے۔ وہ اپنی موجودہ حیثیت کو مستقل حیثیت سمجھ بیٹھا ہے۔ حالانکہ اس کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک بے زور کیڑا ہے۔ بہت جلد وہ دن آنے والا ہے جب کہ اس کی یہ تمام اضافی حیثیتیں چھین لی جائیں گی۔ حتیٰ کہ لباس بھی اتار لیا جائے گا جو آدمی کے اثاثہ کی آخری چیز ہوتا ہے۔ وہ اچانک اپنے آپ کو اس حال میں پائے گا کہ وہ "ننگے جسم، ننگے پاؤں اور غیر مختون" حالت میں رب العالمین کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔

اس دن ساری اونچ نیچ مٹ جائے گی۔ خوف و دہشت سے لوگوں کی زبانیں بند ہو چکی ہوں گی۔ آدمی کے اپنے وجود کے سوا ہر چیز اس کا ساتھ چھوڑ دے گی۔ کسی کے لئے یہ موقع نہ ہوگا کہ حق کے پیغام کو نظر انداز کر کے بھی حق کا ٹھیکیدار بنا رہے —— اس آنے والے دن کو جو آج دیکھ لے، وہی کامیاب ہے۔ جو شخص اسے کل دیکھے گا، اس کے لئے اس کے سوا کوئی انجام نہیں کہ وہ "ابد تک رونا اور دانت پیسنا" رہے۔

# قبولیت دعا میں تاخیر

جاء فی الآثار ان العبد اذا دعا ربه دھو یحبه قال :
یاجبریل لا تعجل بقضاء حاجة عبدی فانی احب ان اسمع صوته

ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، قاہرہ ۱۹۶۲، صفحہ ۳۴۲

بندہ جب اپنے رب کو پکارتا ہے اور وہ اس کو محبوب ہوتا ہے تو وہ فرماتا ہے :
اے جبریل، میرے بندے کی حاجت پوری کرنے میں جلدی نہ کر۔ مجھے
محبوب ہے کہ میں اس کی آواز کو سنوں۔

## جاحظ اور حریری

جاحظ (م ۲۵۵ ھ) بصرہ میں پیدا ہوا۔ وہ اپنے وقت کا زبردست عالم اور بے مثل ادیب تھا۔ علم کلام میں اس نے ایک مستقل مدرسۂ فکر پیدا کیا جس کو جاحظیہ کہا جاتا ہے۔ اس نے مختلف فنون پر ۲۰۰ کتابیں لکھی ہیں۔ استاذ ابن العمید (م ۳۶۰ھ) نے اس کی تصنیفات کے بارے میں کہا ہے: "وہ اولاً عقل اور ثانیاً ادب سکھاتی ہیں" اس نے حیوانات، نباتات، اخلاقیات، اجتماعیات اور دوسرے موضوعات پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اس کی شائع شدہ کتابیں حسب ذیل ہیں :

کتاب البیان والتبیین

کتاب الحیوان

کتاب المحاسن والاضداد

کتاب البخلاء

علم وادب کے کمال کے باوجود وہ نہایت بدشکل انسان تھا۔ بے ڈول جسم، بھدا چہرہ، بدوضع ابھری ہوئی آنکھوں کے ساتھ وہ دیکھنے والے کو عجیب الخلقت دکھائی دیتا تھا۔ اس کی آنکھوں کا ابھار اتنا نمایاں تھا کہ اس کی وجہ سے اس کا لقب جاحظ (ابھری آنکھوں والا) پڑ گیا۔ اس کا اصل نام ابو عثمان عمرو بن بحر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ متوکل باللہ نے جب اس کے علم وادب کی تعریف سنی تو اس کو اپنے لڑکے کا اتالیق بنانے کے لئے سر من رائے (عراق) اپنے پاس بلایا۔ مگر جب اس کی بھدی صورت دیکھی تو اس کو سخت کراہت ہوئی۔ اس نے جاحظ کو دس ہزار درہم دے کر واپس کر دیا۔

مشہور ادیب حریری (۴۴۶ - ۵۱۶ ھ) بھی نہایت بدشکل اور پستہ قد آدمی تھا۔ ایک آدمی اس کی شہرت سن کر دور سے اس سے ادب سیکھنے آیا مگر اس کی صورت دیکھ کر بھڑک گیا۔ اس پر حریری نے اس کو کچھ اشعار لکھوائے جس کا ایک مصرعہ یہ تھا :

مثل المعیدی [illegible] بی ولا تدتی

(میں معیدی کی طرح ہوں۔ میری باتیں سنو شکل نہ دیکھو)

جو کچھ تم کو دیا گیا ہے، وہ محض دنیا کی زندگی کو برتنے کے لئے ہے۔ اور جو کچھ اللہ کے یہاں ہے، وہ زیادہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لائے اور جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں۔ اور جب غصہ آجائے تو معاف کر دیتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز کی پابندی کی۔ اور جو اپنے معاملات آپس کے مشورہ سے چلاتے ہیں۔ اور ہم نے جو رزق ان کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ کہ جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ یقیناً اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو ظلم ہونے کے بعد برابر کا بدلہ لے، اس کو کوئی الزام نہیں۔ الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ البتہ جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ شوریٰ ۴۳ - ۳۶

جس کو ڈر ہوگا وہ نصیحت پکڑے گا۔ اور اس سے گریز کرے گا وہ بدبخت جس کو بڑی آگ میں جانا ہے۔ پھر وہ نہ اس میں مرے گا اور نہ جیے گا۔ کامیاب ہوگیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز ادا کی۔ مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت زیادہ بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔ اعلیٰ ۱۷ - ۱۰

انسان کا حال یہ ہے کہ اس کا رب جب اس کو آزماتا ہے اور اس کو عزت اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھ کو عزت دار بنایا۔ اور جب اس کو دوسری طرح آزماتا ہے اور اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھ کو ذلیل کر دیا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ تم لوگ یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے۔ محتاج کو کھانا دینے کی آپس میں تاکید نہیں کرتے۔ میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ اور مال کی محبت میں بری طرح پڑے ہوئے ہو۔ ہرگز نہیں۔ جب زمین کو توڑ توڑ کر ریزہ کر دیا جائے گا۔ اور تمہارا رب ظاہر ہوگا اور فرشتے قطار در قطار آئیں گے۔ اور جہنم اس روز سامنے لائی جائے گی۔ اس دن انسان کو سمجھ آجائے گی۔ مگر اب سمجھ آنے کا موقع کہاں۔ آدمی کہے گا کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لئے آگے کچھ بھیجا ہوتا۔ اس دن اللہ جو عذاب دے گا ویسا عذاب دینے والا کوئی نہیں۔ اور جیسا باندھے گا ویسا باندھنے والا کوئی نہیں۔ اے اطمینان والی روح! چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اللہ سے راضی، اللہ تجھ سے راضی۔ شامل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔ فجر ۳۰ - ۱۵

تباہی ہے ہر اس شخص کی جو عیب نکالتا ہے اور غیبت کرتا ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔ ہرگز نہیں۔ وہ شخص تو روندنے والی جگہ میں پھینک دیا جائیگا۔ اور تم کیا جانو کہ وہ روندنے والی جگہ کیا ہے۔ وہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک جا پہنچے گی۔ وہ ان پر بند کر دی جائے گی، اونچے اونچے ستونوں میں۔ ہمزہ ۹

"ہم نے اپنے رسول نشانیاں دے کر بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو اتاری۔ تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں" (حدید ۲۵) قرآن کا یہ ارشاد بتاتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے کیا مطلوب ہے۔ وہ مطلوب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے دائرہ میں دوسروں کے ساتھ وہی رویہ اختیار کرے جو انصاف کے مطابق ہے۔ اس کا ہر عمل خدا کی شریعت کی ترازو میں تلا ہوا ہونا چاہئے۔ لینا ہو یا دینا، دونوں حالتوں میں وہ لوگوں کے حقوق کی پوری پوری ادائگی کرے چنانچہ ارشاد فرمایا:

اے ایمان والو، انصاف پر خوب قائم رہو اور اللہ کی گواہی دینے والے بنو۔ اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو (نساء ۱۳۵) بندۂ مومن کی اگر کسی شخص سے ان بن ہو جاتی ہے۔ تب بھی اس کے عادلانہ رویہ میں فرق نہیں آتا۔ خدا کا ڈر اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ہر حال میں وہی کرے جو حقیقۃً انصاف کا تقاضا ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (مائدہ ۸)

کسی کی عداوت کے باعث انصاف کو نہ چھوڑو، انصاف کرو۔ یہی بات تقویٰ سے لگتی ہوئی ہے۔

تاہم خود انصاف پر چلنا جتنا مطلوب ہے، اتنا ہی یہ بات غیر مطلوب ہے کہ آدمی دوسروں کے خلاف انصاف کا جھنڈا لے کر کھڑا ہو جائے۔ ہر شخص سے اپنی ذات کے بارے میں خدا کے یہاں پوچھ ہونی ہے اور ہر شخص کی اصلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی ذاتی زندگی میں انصاف کو اپنائے۔ وہ خواہ حاکم کی پوزیشن میں ہو یا محکوم کی، ہر حال میں دوسروں کو اس سے انصاف ملے۔

اس کے بعد اگر کسی کو نظر آتا ہے کہ اس کا بھائی، خواہ وہ فرد ہو یا جماعت، بے انصافی کی روش پر چل رہا ہے۔ تو ان کے لئے اس کے اندر نصیحت (خیر خواہی) کا جذبہ ابھرنا چاہئے نہ کہ ایجی ٹیشن اور محاذ آرائی کا۔ اس کو چاہئے کہ اپنے دوسرے بھائیوں کی اصلاح کے لئے اللہ سے دعا کرے۔ حکمت اور خیر خواہی کے ساتھ ان کو بھلائی کی تلقین کرے۔ ان کی اصلاح کے لئے وہی مشفقانہ طریقہ اختیار کرے جو وہ اپنی عزیز اولاد کی اصلاح کے لئے کرتا ہے۔ اس کے بجائے احتجاجی سیاست چلانا اور انصاف کا جھنڈا لے کر کھڑا ہو جانا کسی طرح صحیح نہیں۔ اس قسم کا ہر اقدام صرف بگاڑ میں اضافہ کرتا ہے۔ وہ کسی بھی درجہ میں حالات کو سدھارنے والا نہیں بن سکتا۔

# اصحاب رسول : وہ کیسے لوگ تھے

عمرو بن العاص اور خالد بن الولید صفر ۸ ھ میں اسلام لائے۔ عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں مدینہ جاتے ہوئے ھدہ پہنچا تو راستہ میں دو آدمیوں سے ملاقات ہوئی۔ میں نے دیکھا تو ان میں سے ایک خالد بن الولید تھے۔ دونوں میں جو گفتگو ہوئی، اس کا ایک حصہ یہ تھا:

قلت این ترید، قال محمداً۔ دخل الناس فی الاسلام فلم یبق احدٌ بہ طَعْمٌ
(اخرجہ البیہقی من طریق الواقدی)

عمرو بن العاص نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے۔ خالد بن الولید نے جواب دیا محمد کے پاس جا رہا ہوں۔ لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ کوئی چاشنی والا آدمی باقی نہیں رہا۔

رجل ذو طعم کا مفہوم عربی زبان میں تقریباً وہی ہے جو انگریزی میں (MAN OF TASTE) کا۔ اردو میں اس کو صاحب ذوق کہہ سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں تمام کارنامے انھیں لوگوں نے انجام دیئے ہیں جن کے اندر یہ مزاج ہو کہ وہ "ذوق" کے تحت رد و قبول کا فیصلہ کرتے ہوں۔ باقی وہ لوگ جو فائدوں اور مصلحتوں کے تحت چلتے ہوں، وہ ہمیشہ اپنی ذات کے گرد گھومتے رہتے ہیں۔ ان پر نہ زندگی کے بڑے بڑے حقائق کھلتے اور نہ ان سے کسی بڑے کام کی امید کی جا سکتی۔

عرب میں جو انسانی گروہ جمع تھا، وہ اس صلاحیت کی اعلیٰ ترین مثال تھا۔ یہ انتہائی اونچی طبیعت کے لوگ تھے۔ اپنے دشمن کے خلاف وہ ہر قسم کا تشدد کر سکتے تھے۔ مگر وہ اپنی آن کو کبھی چھوڑتے نہ تھے۔ کسی بھی حال میں ان سے کسی ذلیل حرکت کی امید نہ کی جا سکتی تھی۔ عرب کردار کی شہادتیں تاریخ میں کثرت سے موجود ہیں۔ یہاں بطور نمونہ صرف ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔

قدیم زمانہ میں ایران کی ساسانی سلطنت اور روم کی بازنطینی سلطنت دو بڑی حریف حکومتیں تھیں۔ ان میں اکثر جنگ جاری رہتی تھی۔ ساتویں صدی کے ربع اول میں ان کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں۔ یہاں تک کہ ۶۱۶ء میں ایرانیوں نے رومیوں کے اوپر غلبہ حاصل کر لیا۔ رومی سلطنت کے تقریباً تمام مشرقی مقبوضات، اردن، شام، فلسطین، عراق، مصر، سب ایرانیوں کے قبضہ میں چلے گئے۔ اور رومی شہنشاہ قسطنطنیہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔

یہ ٹھیک وہی وقت تھا جب کہ مکہ میں اسلام اور غیر اسلام کی کش مکش اپنی شدید ترین شکل میں جاری تھی۔ ایسے حالات میں اہل کتاب رومیوں کے مقابلہ میں بت پرست ایرانیوں کی فتح مکہ کے لوگوں کے لئے گفتگو کا خصوصی موضوع بن گئی۔ مشرکین نے اس سے اپنی فتح کا شگون لیا اور مسلمانوں سے کہا کہ جس طرح پڑوس میں ہمارے بت پرست بھائیوں نے آسمانی کتاب کے حاملین پر غلبہ حاصل کیا ہے، اسی طرح ہم بھی تمھارے اوپر غالب آجائیں گے۔ عین اس وقت قرآن کی سورہ نمبر ۳۰ اتری اور اعلان کیا کہ چند سالوں کے بعد دوبارہ حالات بدلیں گے اور رومی، ایرانیوں

کے اوپر غالب آجائیں گے۔

سورہ روم کی ان آیتوں نے مکہ کے مخالفوں کو اسلام کا مذاق اڑانے کا نیا موضوع دے دیا۔ ابی بن خلف نے ابوبکر صدیق سے کہا: ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ اگر تم کو یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا تو مجھ سے شرط کرلو۔ چنانچہ دونوں کے درمیان یہ شرط ہوئی کہ رومی اگر دوبارہ غالب آگئے تو ابی بن خلف ایک سو اونٹ دے گا۔ اور اگر اس کے خلاف ہوا تو ابوبکر صدیق ایک سو اونٹ ادا کریں گے۔

اس کے بعد قریش کے ساتھ مسلمانوں کی کش مکش اور زیادہ بڑھی یہاں تک کہ ہجرت ہوئی اور ۶۲۴ء میں جنگ بدر پیش آئی۔ اس جنگ میں قریش کے اکثر سردار مارے گئے جس نے اسلام کے خلاف ان کے غصہ کو جنون کی حد تک پہنچا دیا۔ عین اس وقت (۶۲۴ء میں) قیصر روم نے ایرانیوں کو نینوا (عراق) کے مقام پر فیصلہ کن شکست دی اور اپنے تمام چھینے ہوئے علاقے ایرانیوں سے واپس لے لئے —— قرآن کی پیشین گوئی پوری ہوگئی۔ ابوبکر صدیق اس وقت مدینہ میں تھے۔ آپ نے ابی بن خلف کے پاس مکہ میں پیغام بھیجا کہ قرآن کی بات صحیح ثابت ہوئی۔ اس لئے تم شرط کے مطابق ایک سو اونٹ ادا کرو۔ یہ پیغام مکہ پہنچا تو وہاں کسی نے اس کی مخالفت نہ کی۔ نہ تاویل و توجیہہ کے ذریعہ اس کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں سے تمام تر دشمنی کے باوجود، مکہ سے ایک سو اونٹ مدینہ بھیج دیئے گئے۔ جب یہ اونٹ مدینہ پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق سے فرمایا ان کو صدقہ کردو —— حق بات کو مان لینا، خیر میں داخلہ کا واحد دروازہ ہے اور یہ صفت قدیم عربوں کے اندر کمال درجہ میں موجود تھی۔

یہی وہ عرب تھے جن کے بہترین حصہ کو کاٹ کر (آل عمران ۱۲۷) اسلام میں شامل کیا گیا تھا، جن کو آج ہم اصحاب رسول کہتے ہیں۔ یہ لوگ جب اسلام میں آئے تو ان کی صلاحیتوں میں اور زیادہ جلا پیدا ہوا۔ وہ ایسے عظیم اوصاف کے مالک بن گئے جیسے اوصاف والے لوگ نہ اس سے پہلے زمین پر آباد ہوئے نہ اس کے بعد دوبارہ دیکھے گئے۔ جاہلیت کے بہتر لوگ اسلام کے بہتر لوگ بن گئے۔ (خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا، متفق علیہ)

اسلام کا مقصد، آدمی کو مادیات کی سطح سے اٹھا کر روحانیات کی سطح پر پہنچانا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ زندگی کی اس سطح پر پہنچ جائے جہاں اس کی اپنی فکری سطح اور عالم حقیقت کی سطح دونوں ایک ہوجائیں۔ جب آدمی اس مقام پر پہنچتا ہے تو ایک طرف وہ فیضان الٰہی کا مہبط بن جاتا ہے۔ دوسری طرف ظواہر کا پردہ اس کے لئے اس طرح کالعدم ہوجاتا ہے کہ وہ حقائق کو بے نقاب حالت میں دیکھنے لگتا ہے۔

زندگی کی اس سطح پر پہنچنے کی واحد شرط یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات کے خول سے باہر آجائے۔ وہ اپنے آپ سے الگ ہوکر اپنے آپ کو دیکھنے لگے۔ جب آدمی اپنے خول سے باہر نکل آتا ہے تو وہ فیضان الٰہی کی براہ راست زد میں آجاتا ہے۔ حقائق خواہ اِس دنیا کے ہوں یا اُس دنیا کے، اس کے لئے اس طرح جانی پہچانی چیز بن جاتے ہیں جس طرح کسی ماں کے لئے اس کی اولاد۔ مگر یہ مقام بلند صرف بلند فطرت لوگوں کو ملتا ہے۔ اس مقام پر پہنچنے کے لئے اپنے آپ کو جس طرح کچلنا پڑتا ہے، اس کی ہمت صرف وہی لوگ کرسکتے ہیں جو تمام مصالح و مفادات سے اوپر اٹھ کر

سوچنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ پست فطرت لوگ کبھی اپنی ذات کے خول سے نکل نہیں پاتے۔ اس لئے وہ اسلام کے اونچے مقام کا تجربہ بھی نہیں کر سکتے:

وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ — حٰم سجدہ - ۳۵

اور یہ بات انھیں کو ملتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ بات اسی کو ملتی ہے جو بڑا نصیب والا ہے۔

معاصرین کی رائے:

اصحاب رسول کے بارے میں یہاں ان کے بعض معاصرین کے تاثرات نقل کئے جاتے ہیں۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال ان اللہ نظر فی قلوب العباد فاختار محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فبعثہ برسالتہ وانتخبہ بعلمہ، ثم نظر فی قلوب الناس بعدہ فاختار اللہ لہ اصحابا فجعلہم انصار دینہ و وزراء نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم — ابن عبد البر، الاستیعاب، جلد ۱، صفحہ ۶

عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں۔ اللہ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چن لیا۔ پیغمبری کے لئے آپ کی بعثت فرمائی۔ آپ کو آپ کے علم کی وجہ سے منتخب کرلیا۔ اس کے بعد لوگوں کے دلوں کو دیکھا اور آپ کے لئے آپ کے ساتھیوں کو چن لیا۔ ان کو اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی کا وزیر بنایا۔

حسن بصری تابعی (م ۱۱۰ ھ) نے ایک بار اپنے زمانہ کے لوگوں سے کہا:

لقد ادرکت سبعین بدریاً اکثر لباسھم الصوف ولو رأیتموھم لقلتم مجانین ولو رأوا اخیارکم لقالوا مالھولاء من خلاق۔ ولو رأوا اشرارکم لقالوا مایومن ھولاء بیوم الحساب

میں نے ۷۰ بدری صحابیوں کو دیکھا ہے۔ ان کا لباس زیادہ تر صوف کا ہوتا تھا۔ اگر تم ان کو دیکھتے تو تم کہتے یہ پاگل ہیں۔ اور اگر وہ تمھارے اچھوں کو دیکھتے تو کہتے کہ ان کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔ اور اگر وہ تمھارے بروں کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ لوگ حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔

عن عبد اللہ بن عمر قال، اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا خیر ھذہ الامۃ ابرھا قلوبا واعمقھا علما واقلھا تکلفا

(ابونعیم، حلیۃ الاولیاء جلد ۱، صفحہ ۳۰۵)

عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں۔ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے بہترین لوگ تھے۔ وہ بہت اچھے دل والے، بہت گہرے علم والے اور تکلفات سے دور تھے۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال، انتم اکثر صیاما و اکثر صلاۃ واکثر اجتہادا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھم کانوا خیرا منکم۔ قالوا لِمَ یا ابا عبد الرحمٰن۔ قالَ ھم کانوا ازھد فی الدنیا

حضرت ابن مسعود نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے کہا۔ تم نماز روزہ میں اصحاب رسول سے زیادہ ہو۔ ان سے زیادہ مجاہدے کرتے ہو۔ مگر وہ تم سے بہت بہتر تھے۔ لوگوں نے پوچھا کیوں۔ انھوں نے جواب دیا۔ وہ دنیا سے بہت زیادہ بے رغبت تھے۔

وارغب فی الآخرۃ حلیۃ الاولیاء، جلد ۱، صفحہ ۱۳۶

اور آخرت کے بہت زیادہ مشتاق تھے۔

قال علی بن ابی طالب، واللہ لقد رأیت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فما اری الیوم شیئا یشبھھم لقد کانوا یصبحون صفرا اشعثا غبرا، وحملت اعینھم حتی تبل ثیابھم، واللہ فکأن القوم باتوا غافلین البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ

علی بن ابی طالب نے کہا، خدا کی قسم میں نے اصحاب رسول کو دیکھا ہے، آج کوئی چیز ان کے مشابہ نہیں، وہ خالی ہاتھ، پراگندہ بال اور غبار آلود ہو کر صبح کرتے تھے۔ ان کی آنکھیں اتنا آنسو گراتیں کہ ان کے کپڑے بھیگ جاتے۔ خدا کی قسم آج کے لوگوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے غفلت میں رات گزاری۔

سئل عبد اللہ بن عمر، ھل کان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضحکون۔ قال نعم والایمان فی قلوبھم اعظم من الجبال

(اخرجہ ابونعیم عن قتادہ)

عبداللہ بن عمر سے پوچھا گیا، نبی کے اصحاب کیا ہنستے بھی تھے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ اور ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے بھی زیادہ بڑا ہوتا تھا۔

دخل ضرار بن ضمرۃ الکنانی علی معاویۃ فقال لہ۔ صف لی علیا۔ قال: انہ کان یستوحش الدنیا وزھرتھا، ویستأنس باللیل وظلمتہ۔ کان واللہ غزیر العبرۃ، طویل الفکرۃ۔ یقلب کفہ ویخاطب نفسہ۔ یعجبہ من اللباس ماقصر ومن الطعام ماجشب۔ یعظم اھل الدین ویحب المساکین لایطمع القوی فی باطلہ۔ ولا ییأس الضعیف من عدلہ۔ فاشھد باللہ لقد رأیتہ فی بعض مواقفہ وقد ارخی اللیل سدولہ وغارت نجومہ یمیل فی محرابہ قابضا علی لحیتہ یتململ تململ السلیم ویبکی بکاء الحزین۔ فکأنی اسمعہ الآن وھو یقول یاربنا یاربنا (ابونعیم)

ضرار بن ضمرہ امیر معاویہ کے پاس آئے۔ امیر معاویہ نے کہا۔ مجھ سے علی کے اوصاف بیان کرو۔ انھوں نے کہا۔ علی، دنیا اور اس کی رونق سے وحشت محسوس کرتے تھے۔ ان کو رات اور رات کی تاریکی سے انس تھا۔ خدا کی قسم وہ بہت زیادہ عبرت پکڑنے والے، طویل فکر کرنے والے تھے۔ اپنی ہتھیلی کو پلٹتے اور اپنے نفس کو مخاطب کرتے۔ مختصر لباس اور معمولی کھانا ان کو پسند ہوتا۔ وہ اہل دین کی عزت کرتے، مسکینوں کو دوست رکھتے۔ طاقت ور اپنے باطل میں ان سے امید نہ کرسکتا تھا اور کمزور ان کے انصاف سے ناامید نہ ہوتا تھا۔ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے علی کو بعض مواقع پر دیکھا ہے جب کہ رات کی تاریکی چھا رہی تھی اور ستارے غروب ہو رہے تھے۔ آپ اپنے محراب میں داڑھی پکڑے ہوئے اس طرح بے چین تھے جیسے زہریلے جانور کا ڈسا ہوا بے چین ہوتا ہے۔ غم زدہ کی طرح رو رہے تھے۔ جیسے اب بھی میں ان کو بے قرار حالت میں یہ کہتے ہوئے سن رہا ہوں اے ہمارے رب، اے ہمارے رب۔

## معاملات میں اخروی پہلو کو سامنے رکھنا۔

یرموک کی لڑائی میں خالد بن ولید (م ۶۴۲ء) اسلامی فوجوں کے سپہ سالار تھے اور ابو عبیدہ بن الجراح ان کے ماتحت افسر کی حیثیت سے جنگ میں شریک تھے۔ حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے خالد بن ولید کو معزول کر کے ابو عبیدہ بن الجراح کو سپہ سالار مقرر کر دیا اور خالد بن ولید کو ان کے ماتحت کر دیا۔ یہ فرمان لے کر مدینہ سے جو شخص روانہ ہوا تھا، وہ مقام جنگ پر اس وقت پہنچا جب کہ طویل مقابلہ کے بعد لڑائی اپنے آخری انجام کو پہنچنے والی تھی اور فتح کے مقدمات ظاہر ہو چکے تھے۔ قاصد نے یہ فرمان اولاً ابو عبیدہ بن الجراح کو دیا۔ ابو عبیدہ فرمان خلافت کے مطابق فوراً سپہ سالاری کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے کر فتح کا کریڈٹ وصول کر سکتے تھے۔ مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ خالد بن ولید کی ماتحتی میں بدستور لڑتے رہے:

فاخفی ابو عبیدۃ الخبر وصار فی مکانہ خلف خالد حتی ظہرت مقدمات النصر۔ وقد سئل عن عدم اخذہ بلواء القیادۃ علی الفور فقال: ما سلطان الدنیا ارید وما للدنیا اعمل

ابو عبیدہ نے خبر کو چھپایا اور خالد کی ماتحتی میں بدستور اپنے کو باقی رکھا یہاں تک کہ فتح کے مقدمات ظاہر ہو گئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ قیادت کا جھنڈا آپ نے فوراً کیوں نہ لے لیا۔ فرمایا: میں دنیا کی بڑائی نہیں چاہتا اور نہ دنیا کے لئے عمل کرتا ہوں۔

آخرت کے لحاظ سے کریڈٹ یہ تھا کہ خبر کو چھپایا جائے۔ دنیا کا کریڈٹ اس میں ملتا تھا کہ اس کو ظاہر کر دیا جائے۔ ابو عبیدہ نے آخرت کا کریڈٹ لینا پسند کیا اور دنیا کے کریڈٹ کو نظر انداز کر دیا۔

اب خالد بن ولید کے کردار کو دیکھئے۔ یرموک کی فتح کے بعد جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس عظیم جنگ کے فاتح (خالد بن ولید) کو سپہ سالاری سے معزول کر دیا گیا ہے تو ان کے اندر سخت بے چینی پیدا ہو گئی۔ بہت سے لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے، انھوں نے حضرتِ خالد کی بہادری اور جواں مردی پر تقریریں کیں اور ان کی معزولی پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ ان کو ابھارا کہ وہ خلیفہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیں اور وعدہ کیا کہ ہم سب لوگ آپ کا ساتھ دیں گے۔ (یحرضونہ علی عصیان امر الخلیفۃ ویعدونہ بانہم سیکونون معہ) مگر خالد بن ولید نے اس قسم کے مشورہ کو ماننے سے قطعی انکار کر دیا۔ وہ اس پر راضی ہو گئے کہ ابو عبیدہ بن الجراح کی ماتحتی میں ایک معمولی فوجی بن کر اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف لڑتے رہیں۔ اس وقت انھوں نے جو جملہ کہا وہ تاریخ نے ان الفاظ میں محفوظ رکھا ہے:

انی لا اقاتل فی سبیل عمر ولکن فی سبیل رب عمر

میں عمر کی راہ میں جنگ نہیں کرتا، بلکہ عمر کے رب کی راہ میں جنگ کرتا ہوں۔

## جذبات سے اوپر اٹھ کر سوچنا:

۱۱ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اکثر مسلمان ہل گئے۔ عمر فاروق کا یہ حال ہوا کہ مدینہ کی مسجد میں تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ کی وفات ہو گئی، اس کی گردن مار دوں گا۔ ابو بکر صدیق رسول کی محبت میں تمام لوگوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ ہجرت کے موقع پر جب آپ مکہ میں اچانک ابو بکر صدیق کے گھر آئے اور فرمایا کہ مجھے مکہ سے چلے جانے کا حکم ہو گیا ہے تو ابو بکر صدیق نے پہلی بات یہ فرمائی: "کیا مجھے بھی ساتھ نصیب ہوگا"۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ سفر بظاہر موت کا سفر تھا۔ مگر اس نازک موقع پر رسول کی معیت ان کو اتنی محبوب تھی کہ خوشی کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ عشق کی حد تک رسول سے عقیدت ہونے کے باوجود جب آپ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ کی وفات ہو گئی، تو آپ مسجد میں آئے جس سے متصل رسول اللہ کا حجرہ تھا۔ یہاں لوگ حیران و پریشان تھے۔ عمر فاروق نے سرے سے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا تھا کہ رسول اللہ کی وفات ہو سکتی ہے۔ مگر ابو بکر صدیق نے اپنی روح کو عالم بالا سے اس حد تک مطابق کر لیا تھا کہ آپ کو اصل حقیقت سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ انھوں نے آپ کے چہرے سے چادر اٹھا کر آپ کو چوما اور پھر فرمایا: بابی انت وامی، اما الموتۃ التی کتب اللہ علیک فقد ذقتھا، ثم لن تصیبک بعدھا موتۃ ابدا (جو موت اللہ نے آپ کے لئے مقدر کی تھی وہ آپ نے چکھ لی۔ اس کے بعد اب کوئی موت آپ کو آنے والی نہیں) اس کے بعد آپ باہر مجمع میں تشریف لائے اور تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

| | |
|---|---|
| ایھا الناس، انہ من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات، ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت | لوگو! جو شخص محمد کو پوجتا تھا تو محمد کا انتقال ہو گیا، اور جو شخص خدا کو پوجتا تھا تو خدا زندہ ہے، اس کو موت آنے والی نہیں۔ |

تہذیب سیرۃ ابن ہشام۔ جزء ثانی، صفحہ ۱۵۵

یہ عبدیت کا وہ مقام ہے جہاں آدمی نفرت اور محبت کی نفسیات سے الگ ہو کر حقیقت کو دیکھنے لگتا ہے۔ ایسے کامل انسان صدر اول میں بھی تھوڑے تھے، اور بعد کے زمانہ میں تو شاید ایسے لوگ پیدا ہی نہیں ہوئے۔ الا ماشاء اللہ

اصحاب رسول نے اسی عبدیت کاملہ کا مظاہرہ جمع قرآن کے سلسلے میں کیا۔ ابو بکر صدیق کی خلافت کے زمانہ میں جب زید بن ثابت انصاری نے قرآن کو مدون کیا تو ان کے نسخہ کے بعد بہت سے اجزا بچ گئے جن پر قرآن کی آیتیں اور سورتیں لکھی ہوئی تھیں۔ تمام اصحاب کے مشورے سے اس ذخیرہ کو جلا دیا گیا۔ اسی طرح عثمان غنی کی خلافت کے زمانہ میں جب قرآن کے نسخے جمع کئے گئے اور چند مستند نسخے تیار کئے گئے تو بہت سے نسخے بچ گئے جو مختلف لوگوں کے لکھے ہوئے تھے۔ اس بار بھی اصحاب رسول کے متفقہ مشورہ کے مطابق سرکاری نسخوں کے علاوہ تمام نسخے جلا دئے گئے ——— "قرآن" کو عظیم تر دینی مصلحت کی خاطر جلانا، ایک ایسی جرأت کا کام ہے جس کا مظاہرہ

صرف ایسے لوگ کر سکتے تھے جو حقیقت کو اس بلند مقام سے دیکھ رہے ہوں جہاں ہر دوسری چیز حذف ہو جاتی ہے اور حقیقت اعلیٰ کے سوا کوئی چیز مرکز توجہ بننے کے لئے باقی نہیں رہتی۔

### اختلاف کے باوجود عدل پر قائم رہنا:

عمر فاروق اپنے وقت کی ایک عظیم سلطنت کے حکمراں تھے۔ آپ نے ایک بار تقریر کے دوران کہا: اگر تم لوگ میرے اندر کوئی غلطی دیکھو تو کیا کرو گے۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور بولا:

واللہ لو علمنا فیك اعوجاجا لقومناہ بسیوفنا — خدا کی قسم اگر ہم تمہارے اندر کوئی ٹیڑھ دیکھیں تو ہم اس کو تلوار سے سیدھا کر دیں گے۔

عمر فاروق نے اس "گستاخی" پر آدمی کو تنبیہ کرنے کے بجائے فرمایا الحمد للہ ان جعل فی المسلمین من یقوم اعوجاج عمر بسیفہ (خدا کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں ایسے لوگ بنائے جو عمر کی ٹیڑھ کو تلوار سے سیدھا کر دیں گے) عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں کہ عُیَینہ بن حصن مدینہ آئے اور عمر فاروق سے ملے۔ انھوں نے کہا:

ھی یا ابن الخطاب، فواللہ ما تعطینا الجزل ولا تحکم فینا بالعدل — اے خطاب کے بیٹے، خدا کی قسم تم نہ ہم کو کچھ دیتے ہو، نہ ہمارے درمیان انصاف کرتے ہو۔

عمر فاروق یہ سن کر غصہ میں آگئے اور اٹھے کہ آدمی کو ماریں۔ یہ دیکھ کر حُر بن قیس نے کہا: اے امیر المومنین "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "معاف کرو اور جاہلوں سے درگزر کرو" اور یقیناً یہ ایک جاہل آدمی ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں:

واللہ ما جاوزھا عمر حین تلاھا علیہ وکان وقافا عند کتاب اللہ تعالیٰ (بخاری) — خدا کی قسم قرآن کی آیت سننے کے بعد عمر نے مطلق تجاوز نہیں کیا۔ وہ خدا کی کتاب پر بہت زیادہ رکنے والے آدمی تھے۔

غزوۂ ذات السلاسل (۸ھ) میں اولاً عمرو بن العاص ۳۰۰ کے لشکر کے ساتھ وادی القری کی طرف روانہ کئے گئے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدہ بن الجراح کو دو سو مہاجرین و انصار کے ساتھ روانہ کیا اور ان کو جھنڈا بھی عطا فرمایا۔ رخصت کرتے ہوئے آپ نے ہدایت فرمائی کہ تم اور عمرو بن العاص دونوں مل کر کام کرنا، اختلاف مت کرنا (اذا قدمت علی صاحبك فتطاوعا ولا تختلفا)

جب وہ عمرو بن العاص کے پاس پہنچے تو ابو عبیدہ بن الجراح نے چاہا کہ لوگوں کی امامت کریں۔ عمرو بن العاص نے کہا کہ آپ بطور مدد کے بھیجے گئے ہیں۔ یہ صحیح نہیں کہ آپ میری امامت کریں جب کہ میں امیر ہوں۔ ابو عبیدہ کے دستہ نے جس میں ابو بکر و عمر جیسے لوگ تھے، کہا کہ عمرو بن العاص اپنے دستہ کے امیر ہیں اور ابو عبیدہ اپنے دستہ کے۔ مگر عمرو بن العاص نے اس تقسیم سے اتفاق نہیں کیا اور کہا تم لوگ میری مدد کے لئے بھیجے گئے ہو، اصل قائد میں ہوں (انما انتم امددت بکم فانا القائد) اب ابو عبیدہ بن الجراح نے اپنا حق واپس لے لیا اور کہا: رسول اللہ نے مجھ کو جو

آخری نصیحت کی تھی، وہ یہ تھی کہ تم اور عمرو بن العاص دونوں مل کر کام کرنا اختلاف مت کرنا، اس لئے میں کسی حال میں جھگڑا نہیں کروں گا:

| | |
|---|---|
| وانا واللہ ان عصیتنی لا طعتک | خدا کی قسم اگر تم میری بات نہ مانو تب بھی میں تمہاری اطاعت کروں گا۔ |

اس قسم کی ناخوش گوار باتیں جب کسی کی زندگی میں پیش آتی ہیں تو فوراً اس کی انا بھڑ اٹھتی ہے۔ ایسے نازک مواقع پر اپنے کو عجز اور عبدیت کے دائرہ میں محدود رکھنا، جیل جانے اور پھانسی پر چڑھنے سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ اس امتحان میں وہی لوگ پورے اتر سکتے ہیں جو اپنی ذات کی نفی کر کے خدا کی بندگی میں داخل ہوئے ہوں۔

## فراست مومن

ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

| | |
|---|---|
| اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ | مومن کی ہوشیاری سے بچو، کیوں کہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔ |

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اگر ایک طرف عالم آخرت کی حقیقتوں کو آدمی کے اوپر منکشف کرتا ہے تو دوسری طرف وہ موجودہ دنیا کے حقائق بھی اس پر کھولتا ہے، حتیٰ کہ اس کی نظر اتنی بے پناہ ہو جاتی ہے کہ وہ دنیا کے معاملات میں نہایت عاقلانہ فیصلے کرے اور ایسے اقدامات تجویز کرے جس کو فیصلہ کن انجام تک پہنچنے سے کوئی روک نہ سکتا ہو۔

یہاں میں بطور مثال صرف دو حوالوں کا ذکر کروں گا۔ عمر فاروق نے ایک بار فرمایا:

| | |
|---|---|
| لیس العاقل الذی یعرف الخیر من الشر | عقلمند وہ نہیں ہے جو خیر اور شر کو جانے۔ |
| ولکنہ الذی یعرف خیر الشرین | عقلمند وہ ہے جو یہ جانے کہ دو شر میں سے خیر کیا ہے۔ |

خلیفہ دوم کے اس قول میں زندگی کے معاملات کا نہایت گہرا شعور پایا جاتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ زندگی میں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے لئے خیر و شر میں انتخاب (CHOICE) کا موقع ہو۔ جب کہ یہ امکان ہمیشہ موجود رہتا ہے کہ دو ناپسندیدہ صورت حال میں سے اس صورت حال کو قبول کر لیا جائے جو "خیر" کی طرف اپنا سفر جاری رکھنے کا موقع دیتی ہو۔ جو چیز آج حاصل نہیں ہو رہی ہے، وہ کل مزید تیاریوں کے بعد حاصل ہو جائے ـــــ خلیفہ دوم نے اپنے اس مختصر جملہ میں دنیا کی آدھی سیاست بتا دی ہے۔ اس گہرے سیاسی راز تک وہ اس لئے پہنچ سکے کہ وہ ردعمل کی نفسیات سے الگ رہ کر معاملات پر غور کر سکتے تھے۔

موجودہ زمانہ میں مسلم ملکوں میں اٹھنے والی اسلامی تحریکوں کی مثال سے اس قول کی حکمت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ ان ملکوں کے اسلامی رہنماؤں کا مقصد غیر اسلامی طرز کے حکمرانوں کو ہٹا کر اسلامی طرز کے حکمرانوں کو بر سر اقتدار لانا تھا۔ انھوں نے یہ فرض کر لیا کہ وہ اس حالت میں ہیں کہ خیر (اسلامی نظام) اور شر (سیکولر نظام) میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکیں۔ انھوں نے "شر" کو ختم کرنے کی جدوجہد شروع کر دی تاکہ اس کے بعد "خیر" کو اوپر آنے

کا موقع مل جائے۔ اکثر ملکوں میں، دوسری سیاسی طاقتوں کے ساتھ متحدہ محاذ میں شریک ہوکر، وہ مفروضہ شر کو اقتدار سے بے دخل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ (انڈونیشیا میں ولندیزی، مصر میں شاہ فاروق، ہندستان میں انگریز، پاکستان میں ایوب اور بھٹو، وغیرہ) مگر اس کامیابی کے بعد جو انجام سامنے آیا، وہ صرف یہ تھا کہ فاروق کی جگہ ناصر، ایوب کی جگہ بھٹو، ولندیزی کی جگہ سوئیکارنو اور مستعمرین کی جگہ اکثریت کرسی اقتدار پر قابض ہوگئی۔ گویا وہ ایک شر اور دوسرے شر میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی پوزیشن میں تھے نہ کہ حقیقۃً "خیر اور شر" میں سے کسی ایک کو۔ ان تحریکوں نے جو طاقت ایک شر کو ہٹا کر دوسرے شر کو لانے میں خرچ کی، اسی طاقت کو اگر وہ اسلام کے اشاعت واستحکام میں لگاتے تو وہ زیادہ بہتر طور پر "خیر" کی منزل کی طرف سفر کر سکتے تھے۔

علی بن ابی طالب کے زمانہ میں تحکیم کا جو واقعہ پیش آیا، اس کے بعد آپ کی فوج سے تقریباً ۱۲ ہزار آدمی الگ ہو گئے جو عام طور پر خوارج کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ لوگ خلیفہ چہارم کے خلاف سخت غم وغصہ میں مبتلا تھے اور آپ سے جنگ کرنے کی باتیں کر رہے تھے۔ آپ کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ قبل اس کے کہ خوارج ہمارے اوپر حملہ آور ہوں، ہم خود بڑھ کر ان کے اوپر حملہ کریں اور ان کا خاتمہ کر دیں۔ علی بن ابی طالب نے فرمایا:

لا اقاتلھم حتی یقاتلونی، وسیفعلون

میں ان سے نہیں لڑوں گا جب تک وہ خود مجھ سے لڑنے کے لئے نہ آئیں۔ اور وہ ضرور ایسا کریں گے۔

عباس محمود العقاد، العبقریات الاسلامیہ

دار الآداب بیروت ۱۹۶۶، صفحہ ۷۶۴

خلیفہ چہارم کے یہ دس ہزار ساتھی آپ سے بگڑ کر اور آپ کو مطعون کر کے نہایت نازک موقع پر آپ سے الگ ہو گئے تھے۔ اگر آپ بھی انھیں کی طرح منفی نفسیات میں مبتلا ہو جاتے تو آپ کبھی یہ جملہ نہیں کہہ سکتے تھے۔ مگر آپ ایک غیر متاثر ذہن کے تحت پورے واقعہ کا مطالعہ کر رہے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس گہرے راز کو پالیا کہ خوارج کی یہ جماعت انتہائی جذباتی لوگوں پر مشتمل ہے۔ ان کو غصہ اور نفرت نے ہم سے جدا کیا ہے۔ اس قسم کی نفسیات میں مبتلا لوگ زیادہ دیر تک صبر نہیں کر سکتے۔ ان کی بے صبری ضرور ان کو ابھارے گی کہ وہ ہمارے اوپر حملہ کریں۔ ایسی حالت میں جارحیت کا الزام ہم اپنے سر کیوں لیں۔ ہمیں ان کی طرف سے ہونے والی جارحیت کا انتظار کرنا چاہئے۔ جب وہ جارحیت کر کے ہمارے لئے جنگ کا جواز پیدا کر دیں، اس وقت زیادہ بہتر طور پر ہمارے لئے یہ موقع ہوگا کہ ان کے اوپر بھرپور حملہ کر کے ان کا استیصال کر دیں۔

## قابل پیشین گوئی کردار

قرآن کی سورہ نمبر ۶۷ میں بتایا گیا ہے کہ خدا کی کائنات میں کوئی "تفاوت" نہیں۔ تفاوت کے معنی ہیں فرق، عدم مطابقت۔ تفاوت الشیئان: دو چیزوں کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کے سوا جو بقیہ کائنات ہے، اس میں مطلوب اور عمل کے درمیان کوئی تضاد نہیں۔ خدا کا جو تخلیقی منصوبہ ہے، اسی کے مطابق عملاً

ساری کائنات چل رہی ہے۔ اس بات کو دوسرے لفظوں میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ساری کائنات مکمل طور پر قوانین فطرت کے مطابق ہے۔ یہ مطابقت اتنی زیادہ ہے کہ کائنات میں ہونے والے واقعات کی نہایت صحت کے ساتھ پیشین گوئی کی جا سکتی ہے۔ جب ہم قوانین فطرت کو جان لیں تو ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں حالت میں فلاں قسم کا نتیجہ برآمد ہوگا۔ پانی کو آگ پر رکھنے سے لے کر خلائی کشتی کو سیارہ کی طرف بھیجنے تک ساری سرگرمیاں اسی لئے ہیں کہ ہم کو یقین ہے کہ کائنات کی ہر چیز مکمل طور پر اپنے قانون کی پیروی کرتی ہے، وہ اس سے منحرف نہیں ہوتی۔

فکر و عمل کی یہی مطابقت انسان سے بھی مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مادی کائنات کے لئے قوانین طبیعی مقرر کئے ہیں اور ساری کائنات کامل یکسوئی کے ساتھ اس کی پیروی کر رہی ہے۔ اسی طرح اس نے انسان کے لئے قوانین شرعی مقرر کئے ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان اس سے ہم آہنگ ہو کر اپنی زندگی گزارے۔ زمین و آسمان کو خدا نے بزور اپنے مقررہ قوانین کا تابع بنا دیا ہے، انسان سے یہ مطلوب ہے کہ وہ خود اپنے ارادہ سے اپنے آپ کو ان قوانین کے مطابق بنائے۔ طبیعی دنیا، جس طرح قوانین قدرت کے تحت کامل طور پر قابل پیشین گوئی ( PREDICTABLE ) ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے کہ، اخلاقی اعتبار سے، انسان قابل پیشین گوئی بن جائے۔ مومن اپنے ذاتی ارادہ کو خدا کے ارادہ کے تابع کر دیتا ہے، اس لئے وہ قابل پیشین گوئی ہوتا ہے۔ مومن سے معاملہ کرتے وقت ایک شخص پیشگی طور پر اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کو کس قسم کے ردعمل سے سابقہ پیش آئے گا۔

حسن بصری تابعی نے نفاق (خلاف ایمان حالت) کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے۔

| | |
|---|---|
| من النفاق اختلاف القلب واللسان واختلاف السر والعلانیۃ واختلاف الدخول والخروج | نفاق یہ ہے کہ قلب اور زبان میں فرق ہو، چھپے اور کھلے میں فرق ہو، داخل ہونے اور خارج ہونے میں فرق ہو۔ |

جامع العلوم والحکم، صفحہ ۳۷۷

اصحاب رسول کے ایمان نے اس قسم کے فرق کو ان کی زندگیوں سے مٹا دیا تھا۔ جس طرح مشین کے رہنما پرچہ کو دیکھ کر ایک آدمی سمجھ لیتا ہے کہ وہ کس طرح عمل کرے گی، اسی طرح قرآن و سنت کو دیکھ کر ایک شخص معلوم کر سکتا تھا کہ اصحاب رسول کا ردعمل کسی معاملہ میں کیا ہوگا ——— وہ جانتا تھا کہ ایک صحابی سے جب عہد و پیمان کا کوئی معاملہ ہوگا تو وہ لازماً اس کو پورا کرے گا (بقرہ ۱۷۷)۔ کوئی مالی لین دین ہوگا تو اس کی ٹھیک ٹھیک ادائگی کی جائے گی (مائدہ ۱)۔ اگر کسی وجہ سے اختلاف پیدا ہو جائے تو عدل کے خلاف رویہ کا اس کو سامنا کرنا نہیں ہوگا (مائدہ ۸) وہ حاکم ہو یا ماتحت، دونوں حالتوں میں وہ انھیں حدود پر قائم رہے گا جو اس کے رب نے اس کے لئے مقرر کر دئے ہیں (توبہ ۱۱۲)۔ اگر وہ کسی کے اوپر غلبہ پائے تو وہ ظلم اور گھمنڈ کا مظاہرہ نہیں کرے گا (من کظم غیظا وھو قادر علی ان ینفذہ ۔ ۔ ۔ ابو داؤد، ترمذی) اس کی غلطی کی گرفت کی جائے گی تو اس کو عزت کا سوال بنا کر وہ اپنی غلطی سے لپٹا نہیں رہے گا بلکہ صاف لفظوں میں اعتراف کرے گا (بقرہ ۲۰۶) اس سے کسی بات کو منوانے کے لئے طاقت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ایک لفظی دلیل اس سے کوئی صحیح بات منوانے کے لئے کافی ہوگی (محمد ۳۰) حتیٰ کہ صحابی کے بارے میں

ایک شخص یہاں تک یقین رکھ سکتا تھا کہ وہ اس کے معاملہ پر اپنا معاملہ نہیں کرے گا (لا یبیع بعضکم علی بیع بعض۔ مسلم) اگر کوئی ایسی بات سامنے آئے جس کی بابت وہ علم و مطالعہ نہ رکھتا ہو، تو وہ صاف طریقہ سے کہہ دے گا کہ میں نہیں جانتا (من لم یعلمہ فلیقل اللہ اعلم، بخاری) ــــــ مادی کائنات "طوعاً و کرہاً" خدا کے منصوبہ کے مطابق بنی ہوئی ہے۔ اصحاب رسول نے اپنی مرضی سے اپنے آپ کو خدائی منصوبہ کے مطابق بنالیا تھا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (بینہ)

اصحاب رسول کا یہی قابل پیشین گوئی کردار ان کو دوسرے انسانوں سے ممتاز کرتا ہے۔ ایک آدمی نفس و شیطان کے قبضہ میں ہو تو پیشگی طور پر یہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ کسی معاملہ میں وہ کس قسم کا مظاہرہ کرے گا۔ مگر جب آدمی اپنے آپ کو حقیقی معنوں میں خدا کا بندہ بنالے تو وہ اسی طرح قابل پیشین گوئی بن جاتا ہے جس طرح خدا کی بقیہ کائنات۔

موجودہ زمانہ میں بعض مشینی معاشروں نے ٹکنکل پہلو سے اپنے کو قابل پیشین گوئی بنانے کی کوشش کی ہے۔ ایک ہندوستانی سیاح جاپان کی ٹرین میں سفر کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اسٹیشنوں کے نام صرف جاپانی زبان میں لکھے ہوئے ہیں۔ جب کہ جاپانی ریلوے اپنا ٹائم ٹیبل انگریزی میں بھی فراہم کرتی ہے۔ ہندستانی سیاح نے اپنے ایک جاپانی ہم سفر سے شکایت کی کہ آپ لوگ اسٹیشنوں کے بورڈ پر صرف جاپانی زبان میں نام لکھتے ہیں، میرے جیسا آدمی کیسے جانے کہ اس کا مطلوبہ اسٹیشن آگیا۔ "اس کا حل بہت آسان ہے"۔ جاپانی مسافر نے کہا "آپ اپنی گھڑی کو صحیح رکھئے اور انگریزی ٹائم ٹیبل جو آپ کے پاس ہے، اس میں دیکھ لیجئے کہ آپ کے مطلوبہ اسٹیشن پر ٹرین کے پہنچنے کا وقت کیا ہے۔ آپ کی گھڑی کی سوئی جب مقررہ وقت پر پہنچے گی تو آپ کی گاڑی اسی اسٹیشن پر کھڑی ہوگی"۔

منصوبہ اور عمل درآمد کے درمیان یہ مطابقت جو بعض مشینی معاشروں نے ٹکنکل سطح پر حاصل کی ہے، یہی انسان سے شرعی اور اخلاقی اعتبار سے مطلوب ہے۔ اصحاب رسول، انسانی تاریخ میں، اس معیار کا سب سے کامیاب نمونہ تھے۔ ان کے بارے میں پیشگی طور پر اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ کسی معاملہ میں ان کا رویہ کیا ہوگا۔ اور اگر بشری کمزوری یا بھول چوک سے کبھی ان کے عقیدہ اور عمل میں فرق آتا تو یاددہانی کے بعد فوراً وہ اس کی اصلاح کر لیتے تھے:

ذھب بلال الی عمر مستأذناً فقال لہ الخادم إنہ نائم۔ فسألہ کیف تجد ون عمر۔ قال: خیر الناس إلا انہ اذا غضب فھو امر عظیم۔ قال بلال: لو کنتُ عندہ اذا غضب قرأتُ علیہ القرآن حتی یذھبَ غضبہ

العبقریات الاسلامیہ، صفحہ ۳۹۷

بلال ایک روز عمر فاروق کے یہاں ملاقات کے لئے گئے۔ خادم نے بتایا کہ وہ سو رہے ہیں۔ بلال نے خادم سے پوچھا، تم لوگ عمر کو کیسا پاتے ہو۔ خادم نے جواب دیا، وہ بہترین انسان ہیں۔ مگر جب غصہ میں آجائیں تو ان کا غصہ بڑا سخت ہوتا ہے۔ بلال نے کہا: اگر میں ان کے غصہ کے وقت ہوتا تو میں ان کے سامنے قرآن پڑھتا۔ اس کے بعد ان کا غصہ ختم ہو جاتا۔

# جب قرآن کو چھوڑی ہوئی کتاب بنا دیا جائے

قرآن کی سورہ نمبر ۲۵ میں ارشاد ہوا ہے :
وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا (فرقان ۔ ۳۰)
اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھیرا دیا اس قرآن کو چھوڑا ہوا۔

اس آیت سے اولاً وہ لوگ مراد ہیں جن کے سامنے قرآن آتا ہے مگر وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ جیسا کہ مکی دور میں قریش نے کیا۔ تاہم اس نفسیات کا عملی مظاہرہ کبھی ان لوگوں کی طرف سے بھی ہوتا ہے جو بظاہر قرآن کو ماننے والوں کی فہرست میں داخل ہوں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر قرآن میں آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں :

"آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے۔ تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی تصحیح قرأت کی طرف توجہ نہ کرنا، اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت داخل ہو سکتی ہیں۔"

قرآن کے ماننے والوں کے لئے قرآن کو "کتاب مہجور" بنانے کی یہ شکل کبھی نہیں ہوتی کہ اس کا احترام و تقدس لوگوں کے دلوں میں باقی نہ رہے۔ برکت اور تقدس کا نشان ہونے کی حیثیت سے وہ ہمیشہ اس کو اپنے طاق کی زینت بنائے رہتے ہیں۔ البتہ وہ اس سے فکری رہنمائی لینا چھوڑ دیتے ہیں۔ خدائی کتاب میں ان کے لئے ذہنی غذا نہیں ہوتی۔ وہ ان کی حقیقی زندگی کا سرمایہ نہیں بنتی۔ وہ ان کی دنیا پرستانہ زندگی کے لئے "برکت کا تعویذ" تو ضرور ہوتی ہے مگر آخرت کی رہنما کتاب کی حیثیت سے ان کی زندگی میں اس کا کوئی مقام نہیں ہوتا ——— یہ مطلب ہے خدا کی کتاب کو "کتاب مہجور" بنا دینے کا۔

# آہ یہ ظالم انسان!

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ۲۴ھ میں خلیفہ منتخب ہوئے اور ۳۵ھ میں آپ کو شہید کر دیا گیا جب کہ آپ کی عمر ۸۲ سال تھی۔ امام مسلم عائشہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے مکان میں لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کی پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں۔ اتنے میں ابوبکر رضؓ آئے، آپ اسی حال میں لیٹے رہے اور باتیں کیں۔ پھر عمر رضؓ آئے۔ آپ اب بھی اسی طرح لیٹے رہے اور باتیں کیں۔ اس کے بعد عثمانؓ آئے۔ اب آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے کو ٹھیک کر لیا۔ جب تینوں چلے گئے تو میں نے عرض کیا۔ اے خدا کے رسول! ابوبکر آئے مگر آپ نہیں اٹھے۔ عمر آئے پھر بھی آپ اسی طرح رہے۔ مگر عثمان آئے تو آپ اُٹھ گئے اور اپنے کپڑے کو درست کر لیا۔ آپؐ نے جواب دیا:

الا استحیی من رجل تستحیی منہ الملائکۃ — کیا میں ایک ایسے شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔

امام ترمذی عبدالرحمن بن خبابؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اس وقت مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا جب کہ آپ جیش عسرہ (تبوک) کی تیاری کے لئے لوگوں کو ابھار رہے تھے۔ عثمان بن عفان کھڑے ہوئے اور کہا: اے خدا کے رسول، ایک سو اونٹ مع کجادہ اور پالان کے میں خدا کے راستہ میں دیتا ہوں"، آپؐ نے پھر لوگوں کو ابھارا۔ عثمان بن عفان دوبارہ کھڑے ہوئے اور کہا، "دو سو اونٹ معہ کجادہ اور پالان کے اللہ کے راستہ میں۔" آپ نے پھر لوگوں کو ابھارا۔ عثمان بن عفان تیسری بار کھڑے ہوئے اور کہا، اے خدا کے رسول تین سو اونٹ مع کجادہ اور پالان کے اللہ کے راستہ میں "۔ راوی کہتے ہیں، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر پڑے۔ اور آپ کی زبان پر یہ کلمہ جاری تھا:

ما علی عثمان ما عمل بعد ھٰذہ ما علی عثمان ما عمل بعد ھٰذہ — اس کے بعد عثمان جو بھی کریں ان پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اس کے بعد عثمان جو بھی کریں ان پر کوئی مواخذہ نہیں۔

امام ترمذی انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ حدیبیہ میں جب بیعت رضوان ہوئی، اس وقت عثمان بن عفان رسول اللہ کے سفیر کی حیثیت سے مکہ گئے ہوئے تھے۔ جب تمام لوگ بیعت ہو چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عثمان اس وقت اللہ اور اس کے رسول کے کام پر ہیں۔" پھر آپؐ نے اپنے ایک ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا اور خود اپنے ایک ہاتھ سے اپنے دوسرے ہاتھ پر عثمان کے لئے بیعت کی:

فکانت ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعثمان خیرا من ایدیھم لانفسھم — پس عثمان کے لئے رسول اللہ کا ہاتھ لوگوں کے لئے ان کے اپنے ہاتھ سے بہتر تھا۔

امام ترمذی مرۃ بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا حال بیان کیا جو آپ کے

بعد آئیں گے، اتنے میں ایک صاحب سامنے سے گزرے جو کپڑا لپیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ھذا یومئذ علی الھدی (یہ شخص اس دن حق پر ہوگا) میں اٹھ کر ان کے پاس گیا تو معلوم ہوا کہ وہ عثمان بن عفان ہیں۔ (ترمذی) حضرت عثمان نے اپنے مال سے مشکل وقتوں میں اتنی زیادہ اسلام کی مدد کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار ان کے لئے دعا فرمائی۔ ایک بار آپ نے فرمایا:

اللّٰھم انی قد رضیت عن عثمان فارض عنہ، اللھم انی قد رضیت عن عثمان فارض عنہ

اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہوجا، اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہوجا۔

ایک بار حضرت عثمان کے ایثار و قربانی سے آپ اتنا خوش ہوئے کہ دعا کا یہ کلمہ دن بھر آپ کی زبان سے نکلتا رہا۔

تاہم یہی عثمان بن عفان تھے جن کے خلاف ان کی خلافت کے بعد کے سالوں میں سارے ممالک اسلامی میں شورش برپا ہوگئی۔ اس شورش کے پیدا کرنے میں متعدد مخلص اور مقدس لوگ بھی شریک تھے۔ یہ شورش اتنی بڑھی کہ ہزاروں کی تعداد میں بلوائی مختلف ملکوں سے جمع ہوکر مدینہ میں گھس گئے۔ انھوں نے حضرت عثمان کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ آپ کے گھر میں پانی کا داخلہ روک دیا۔ آپ کے لئے مسجد نبوی میں جاکر نماز پڑھنا ناممکن بنا دیا۔ جب شدت بہت بڑھی تو آپ اپنے مکان کی چھت پر چڑھے اور بلوائیوں کو خطاب کیا:

عن ثُمامۃ بن حَزْنِ القشیری، قال شہدت الدار حین اشرف علیھم عثمان فقال: انشدکم اللّٰہ والاسلام ھل تعلمون ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قدم المدینۃ ولیس بھا ماءٌ یستعذب غیر بئر رومۃ۔ فقال من یشتری بئر رومۃ یجعل دلوہ مع دلاء المسلمین بخیرلہ منھا فی الجنۃ۔ فاشتریتُھا من صلب مالی، وانتم الیوم تمنعوننی ان اشرب منھا۔ فقالوا اللّٰھم نعم۔ فقال انشدکم اللّٰہ والاسلام ھل تعلمون ان المسجد ضاق باھلہ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من یشتری بقعۃ آل فلان فیزیدھا فی المسجد بخیرلہ منھا فی الجنۃ فاشتریتھا من صلب مالی، فانتم الیوم تمنعوننی ان اصلّی فیھا رکعتین۔ فقالوا اللّٰھم نعم۔۔۔ قال اللّٰہ اکبر، اشھدوا ورب الکعبۃ انی شھید، ثلاثا۔
(ترمذی۔ نسائی، دار قطنی)

ثمامہ بن حزن القشیری کہتے ہیں۔ عثمان بن عفان کے محاصرہ کے وقت میں ان کے گھر کے پاس موجود تھا۔ وہ مکان کے اوپر چڑھے اور لوگوں سے کہا۔ میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دلاتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ آئے اور یہاں صرف ایک (یہودی کا) کنواں بئر رومہ تھا جس سے میٹھا پانی لیا جاسکے (وہ بہت مہنگی قیمت پر فروخت کرتا تھا) رسول اللہ نے کہا۔ کون بئر رومہ کو خریدتا ہے کہ وہ بھی اس سے پانی لے اور مسلمان بھی پانی لیں۔ جنت میں اس کو اس سے بہتر ملے گا۔ میں نے (۳۵ ہزار درہم) کے عوض اس کو خریدا۔ اور تم مجھ کو اس سے پانی پینے سے روکتے ہو۔ لوگوں نے جواب دیا، خدایا ہاں۔ پھر عثمان بن عفان نے کہا۔ میں تم کو قسم دلاتا ہوں اللہ کی اور اسلام کی۔ کیا تم جانتے ہو کہ مسجد نبوی تنگ پڑ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون فلاں زمین کو خرید کر مسجد میں اضافہ کرتا ہے، جنت میں اس کو اس سے بہتر ملے گا۔ میں نے اس کو اپنے مال سے خریدا۔ اور تم مجھ کو اس میں دو رکعت نماز پڑھنے سے

رر کتے ہو۔ لوگوں نے کہا خدایا ہاں ۔ عثمان بن عفان نے کہا
اللہ اکبر۔ رب کعبہ کی قسم، تم لوگ گواہ رہو کہ میں شہید ہوں
(تین بار فرمایا)

ان سب کے باوجود لوگوں نے حضرت عثمان کو قتل کر دیا۔ اور قتل کرنے والے اور ان کا ساتھ دینے والے سب کے سب نماز روزہ والے مسلمان تھے۔ حتیٰ کہ ان کا ساتھ دینے والوں میں کتنے ایسے لوگ بھی تھے جن کے اخلاص اور بزرگی میں کسی کو شبہ نہیں تھا ۔

❋❋

## تھوڑے لوگ ۔۔۔

بھیک جی میوات کے مشہور صوفی شاعر ہیں۔ وہ تین سو سال پہلے اوڑکی (راجستھان) میں ایک خاندان میں پیدا ہوئے ۔ بڈیڈ میں اب بھی ان کا اور ان کے شیخ سلیم شاہ کا مزار موجود ہے۔ انھوں نے اپنا گھر چھوڑ کر درویشی کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ ان کے بہت سے اشعار عوام میں مشہور ہیں۔ ایک شعر یہ ہے :

پی پیا کے دیس کی بڑی کٹھن ہے گیل
کوئی کوئی جائیگو سلجھا سلجھا بیل

مطلب یہ ہے کہ محبوب (خدا) کے دیس (آخرت) کا راستہ بڑا کٹھن ہے۔ تھوڑے لوگ ہوں گے جو راستہ کی جھاڑیوں سے بچ کر وہاں تک پہنچیں ۔

# ڈائری کا ایک ورق

قرآن کی سورہ نمبر ۴۰ میں ایک "رجل مومن" کا ذکر ہے۔ یہ فرعون کے شاہی خاندان کا ایک فرد تھا۔ حضرت موسیٰ اور آپ کے ساتھیوں کے خلاف فرعون کی کش مکش جب اپنی آخری انتہا کو پہنچ چکی تھی، اس وقت یہ مرد مومن، جو ابتک اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا، دربار میں کھڑا ہو گیا۔ اس نے آخرت کے موضوع پر ایک بے لاگ تقریر کی۔ اس نے اپنی قوم کو یوم التناد (چیخ پکار کے دن) سے ڈرایا۔ ان کو نصیحت کی کہ اپنی زندگی کا نقشہ دار القرار کو سامنے رکھ کر بناؤ۔

یہ تقریر اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر فی الفور سارے ملک مصر میں پھیل گئی۔ ایک شخص کی صرف ایک تقریر نے پوری قوم کے اوپر خدا کی حجت تمام کر دی۔

تاریخ انسانی میں اس قسم کا لمحہ صرف کبھی کبھی پیش آتا ہے۔ زندگی، مخصوص واقعاتی تسلسل کے تحت، کبھی ایک ایسے کلائمکس پر پہنچ جاتی ہے کہ ایک فرد کو، جو اس وقت ایک خاص مقام پر کھڑا ہو، اپنی مخصوص پوزیشن کی وجہ سے ایک ایسا کردار ادا کرنے کا موقع مل جاتا ہے جس کو عام حالات میں لاکھوں انسان مل کر بھی انجام نہیں دے سکتے۔

۱۱ فروری ۱۹۷۷ کو سابق صدر جمہوریہ ہند فخر الدین علی احمد (۱۹۷۷ – ۱۹۰۵) کے اچانک انتقال کی خبر ملی تو مجھے خیال آیا کہ مرحوم شاید ہندستان کی جدید تاریخ میں پہلے شخص تھے جو اس قسم کی نادر پوزیشن پر پہنچ گئے تھے۔

---

# آدمی بدل جاتا ہے

محمد بن علی بن طباطبا عرف ابن الطقطقی تیرھویں صدی عیسوی کا مشہور مورخ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ عبد الملک بن مروان اموی (۸۵ – ۲۳ ھ) مدینہ کے مشہور فقہا میں سے تھا۔ لوگ اس کو "مسجد کا کبوتر" کہتے تھے۔ کیوں کہ وہ اکثر مسجد میں رہتا اور قرآن کی تلاوت کرتا رہتا۔ اس کے باپ مروان بن الحکم کے مرنے کے بعد جب اس کو بتایا گیا کہ "آج سے تم خلیفہ ہو"، تو اس نے قرآن کو فوراً بند کر دیا اور کہا: ھذا فراق بینی و بینک (اب میرے اور تمھارے درمیان جدائی ہے)

عبد الملک کی خلافت سے پہلے جب یزید بن معاویہ نے مدینہ والوں سے لڑنے اور کعبہ پر حملہ کرنے کے لئے فوج روانہ کی تو عبد الملک بہت خفا ہوا تھا۔ اس نے کہا تھا: "کاش آسمان ٹوٹ کر زمین پر گر پڑے"، مگر جب وہ خود خلیفہ ہوا تو اپنے حریف عبد اللہ بن زبیر کو مغلوب کرنے کے لئے اس نے وہی فعل شدید تر شکل میں کیا۔ اس نے حجاج بن یوسف کو اس کام کے لئے مقرر کیا جس نے مکہ کا محاصرہ کر لیا اور کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسائے۔ سعید بن المسیب، عبد الملک کے استاد تھے۔ ایک روز عبد الملک نے سعید بن المسیب سے کہا: "سعید، اب میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ میں کوئی نیک کام کرتا ہوں تو میرے دل کو خوشی نہیں ہوتی۔ جب کوئی برائی کرتا ہوں تو اس کا کچھ رنج نہیں ہوتا۔ حالاں کہ پہلے ایسا نہ تھا۔ سعید بن مسیب نے جواب دیا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تمھارے دل کی موت مکمل ہو چکی ہے۔

الہ آباد ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس جے۔ ایم۔ ایل۔ سنہا نے ۱۲ر جون ۱۹۷۵ کو اپنا وہ تاریخی فیصلہ دیا جس میں مسز اندرا گاندھی کے الکشن (۱۹۷۱) کو ناجائز قرار دیا گیا تھا۔ اس کے بعد ۲۶ر جون ۱۹۷۵ کو ایمرجنسی کا نفاذ عمل میں آیا جس نے پورے ملک کو نئے راستہ پر ڈال دیا۔ اس وقت سے لے کر فخرالدین علی احمد کے انتقال تک جو ہنگامہ خیز واقعات ہوئے، ان سب میں مرحوم کا نام شامل تھا۔ ایک صاحب اقتدار شخصیت محض اپنی ذات کو بچانے کے لئے انتہائی بے دردی کے ساتھ پورے ملک کا ڈھانچہ بدلتی رہی اور راشٹرپتی بھون کا صدرنشین اس کے ہر منصوبہ پر قانونی جواز کی مہر لگاتا رہا۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے، آخری دنوں میں مرحوم فخرالدین علی احمد کا ضمیر چیخ اٹھا تھا۔ انھوں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اس عہدہ سے استعفا دے دیں گے۔ اگر انھوں نے ایسا کیا ہوتا اور پھر دربار فرعون کے مومن کی طرح کھڑے ہو کر یہ کہتے کہ "اقتدار کے جوش میں یہ مت بھول جاؤ کہ خدا کی پکڑ تمھارا انتظار کر رہی ہے۔ لوگو! تمھیں مرنا ہے اور مرنے کے بعد خدا کے یہاں حساب دینے کے لئے حاضر ہونا ہے۔" اگر وہ ایسا کرتے تو اچانک وہ اس مقام پر کھڑے ہو جاتے جو شہداء اور انبیاء کا مقام ہے۔ ہندوستانی تاریخ کا کلائمکس اور ان کی مخصوص پوزیشن ان کی تقریر آخرت کو نہ صرف سارے ملک بلکہ ساری دنیا میں پھیلا دیتی۔ کوئی کان نہ ہوتا جس نے اس کو سنا نہ ہو، کوئی نگاہ نہ ہوتی جس نے اس کو پڑھا نہ ہو۔ صدر جمہوریہ کے عہدہ سے استعفا دینے کے نتیجہ میں ممکن ہے کہ چند روز کے لئے ان کی دنیا برباد ہو جاتی۔ مگر وہ اس خدائی پیغام کے ناشر بن جاتے جس کو پچھلی کئی صدیوں سے سارے مسلمان مل کر بھی انجام نہیں دے سکے ہیں اور جس کے ادا کرنے والے کے لئے بلاشبہ خدا کے یہاں سب سے بڑی سرفرازی ہے۔

******************

# مذہب کی حقیقت

ایک ایم۔ ایس۔ سی سے مذہب کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔ دوران گفتگو انھوں نے کہا:

HUMAN QUALITIES ARE MORE IMPORTANT THAN THE RELIGIOUS CUSTOMS

انسانی صفات زیادہ ضروری ہیں بہ نسبت مذہبی رسوم کے۔ یہ جملہ اس نفسیات کو بہت خوبی کے ساتھ بتا رہا ہے جس کی وجہ سے مذہب آج کل کے پڑھے لکھے لوگوں کی نظر میں غیر اہم بن گیا ہے۔ یہ لوگ مذہب کو ایسے رسوم و اعمال کے مجموعہ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جس کا انسان کی اصل زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ حقیقی زندگی میں کامیاب ہونے کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے، وہ مذہب سے حاصل نہیں ہوتیں، تو ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے رسمیاتی ضمیمہ کا بوجھ وہ کیوں اٹھائے پھریں۔

مذہب کا یہ تصور اصل مذہب کے مطالعہ سے نہیں بنا ہے بلکہ اہل مذاہب کو دیکھ کر بنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ زمانہ میں مذہب والوں نے یہی نمونہ پیش کیا ہے، گویا مذہب کچھ ناقابل فہم قسم کے رسمی اعمال کی بجاآوری کا نام ہے۔ حالانکہ مذہب اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے ایک زندہ قوت کا نام ہے جو انسان کی پوری زندگی میں ہلچل پیدا کر دیتا ہے۔

# Women are born subordinate

DAILY EXPRESS Monday July 4 1977

IT'S A rough old world for women, as the feminists never cease to remind us.

They blame centuries of social conditioning—a kind of conspiracy whereby men all over the world somehow contrive to keep women in a subordinate role.

A much simpler, and more probable explanation is that universal male dominance stems not from social oppression but fundamental differences between the sexes.

This is the view put forward by Professor Steven Goldberg of New York in his book "The Inevitability of Patriarchy" (Temple Smith £6·95).

The professor, whose male dominant tendencies have shot him up the academic hierarchy in less than a decade of teaching, is tough in mind and body.

He needs to be. His book has earned him some shrill abuse from feminists in America ("Fascist Pig" and "Male Sadist" are two of the milder epithets), and has upset a few here too, since he arrived to launch the British publication.

"The feminists hate me," Goldberg told me cheerfully. "I like to think their intense wrath stems from my inherent rightness.

"Putting it simply I believe that the universality of male dominance in all societies cannot be explained by social conditioning.

Steven Goldberg: 'Women know I'm right'

## The professor some call the 'Male Sadist' talking to Peter Grosvenor

### SACRIFICE

"But it can be explained by the male hormone testosterone which 'programmes' the infant male for a life of greater aggression and dominance while he is still in the womb.

"That's why little boys are clearly more aggressive than little girls even before they've had a chance to be socially conditioned.

"And in later life this same dominance means that men are far more ready to sacrifice holidays, health and family for the sake of their career."

In truth the feminist case is none too strong. If it really were true that male dominance was due to social conditioning rather than inate male qualities, than surely *somewhere* in the world at some time a society would have evolved in which women were dominant.

None has. And even in societies like those behind the Iron Curtain which boast of sexual equality, one is obviously "more equal" than

62-strong council of ministers. Not one is a woman.

You could even see it in a hole in the road in Leningrad where I once watched five men and five women labourers at work.

Much as in Britain half the workers were digging and half were leaning on their shovels.

You may have guessed, it was the dominant males who were leaning while the stocky women wielded their spades.

After a lifetime spent researching the diverse societies of the world that expert woman anthropologist Margaret Mead, who is commonly thought to be on the feminist side, has declared:

"All the claims so glibly made about societies ruled by women are nonsense. We have no reason to believe that they ever existed . . . Men have always been the leaders

Does that mean that men are better than women? Professor Goldberg wags a warning finger.

"Not better, but different. The male brain works differently from the female brain. In I.Q. tests with men and women of similar intelligence levels, the men tend to score higher on logical and deductive problems, though the women will generally do better in verbal skills.

### EMOTION

"Unquestionably women have greater emotional awareness even before they have children. Little girls are commonly more thoughtful and sensitive to parental moods than little boys.

"Of course we are talking about probabilities. You will

dominate men—but its only a minority.

"Thus it is a statistical probability that even if only five per cent of M.P.s are women eventually there will be a woman prime minister."

And when women reach the top jobs, Mrs Thatcher will be pleased to hear, they are likely to perform just as well as men.

Professor Goldberg's proposition is quite simply, that they are much less likely to get to the top—and all because of testosterone.

"The masculinisation of the brain by this hormone has been demonstrated conclusively by experiments on female rats and other mammals.

"And we have now found the same thing with human beings," says Goldberg.

"Obviously you cannot experiment with humans, but two decades back it was not uncommon to treat people for certain complaints like acne with injections of testosterone.

"Some injections happened to be given to pregnant women and when they give birth to girls the results were often startling.

### TOMBOYS

"On a chromosome test the girls were 100 per cent female and they were brought up like little girls. But they behaved like tomboys and worried parents would go to their doctors and say: 'I don't understand my little girl. She wants to fight and play like a boy all the time.'"

What had happened, think researchers, is a hormonal masculinisation of the central nervous system which took place in the womb.

The professor concludes: "The central fact is that men and women are different from each other from the gene to the thought to the act. These differences flow from the biological natures of man and woman.

"Women have taken the powers they have not because they were forced by men but because they have followed their emotional imperatives.

"Women who deny their natures and covet a state of second-rate manhood are forever condemned to argue against their own juices.

"The experience of men is that there are few women who can out-fight them and few who can out-argue them, but when a woman uses feminine means she can deal with any man as an equal.

"In this and every other society men look to women for gentleness, kindness and love. The basic male motivation is protection of women and children.

"The feminist cannot have it both ways. If she wishes to sacrifice all this all that she will get in return

# مذہبی تعلیم کی سائنسی تصدیق

تاریخ کے ہر دور میں عورتیں، مردوں کے ماتحت رہی ہیں۔ حتیٰ کہ آج بھی مغرب کے ترقی یافتہ ملکوں میں یہ صورت حال مکمل طور پر موجود ہے۔ نام نہاد آزادیٔ نسواں تحریک کے مغربی علم بردار اب تک یہ کہتے رہے ہیں کہ یہ کوئی فطری تقسیم نہیں ہے۔ بلکہ سماجی حالات (SOCIAL CONDITIONING) نے مصنوعی طور پر یہ فرق پیدا کر رکھا ہے۔ تاہم حال میں اس سلسلے میں جو تحقیقات ہوئی ہیں، انھوں نے اس مفروضہ کو غلط ثابت کر دیا ہے۔

امریکہ کے پروفیسر اسٹیون گولڈبرگ نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے: "نظام سرداری کی ناگزیریت"۔ مصنف کہتے ہیں کہ معاشرہ میں عورت مرد کے فرق کی وجہ حقیقۃً کوئی سماجی دباؤ نہیں ہے۔ بلکہ دونوں جنسوں میں بنیادی فطری فرق اس کا سبب ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد پروفیسر کو امریکہ کی انتہا پسند خواتین کی طرف سے نہایت سخت خطابات ملے ہیں مثلاً "ظالم خنزیر" اور "مرد سادی" وغیرہ۔

کتاب کی اشاعت کے بعد پروفیسر گولڈبرگ سے جب "ڈیلی ایکسپرس" کا نمائندہ ملا تو انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا: "مساوات نسواں کی علم بردار خواتین مجھ سے نفرت کرتی ہیں۔ مگر مجھے یقین ہے کہ تمام انسانی معاشروں میں مرد کا عمومی غلبہ (MALE DOMINANCE) صرف سماجی حالات کی وجہ سے نہیں ہو سکتا۔"

اس فرق کی زیادہ حقیقت پسندانہ توجیہہ یہ ہے کہ اس کو مردانہ ہارمون (MALE HORMONE) کا نتیجہ قرار دیا جائے جو کہ ابتدائی جرثومہ حیات پر اس وقت غالب آجاتے ہیں جب کہ وہ ابھی رحم مادر میں ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ چھوٹے بچے ہمیشہ چھوٹی بچیوں سے زیادہ جارح ہوتے ہیں اور یہ فرق اس وقت ظاہر ہو جاتا ہے جب کہ ابھی وہ سماجی حالات کے زیر اثر آئے بھی نہ ہوں۔

مساوات نسواں کے علم برداروں کا مقدمہ، خالص علمی اعتبار سے زیادہ مضبوط نہیں ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہوتی کہ مرد کا غلبہ سماجی حالات کی وجہ سے ہے نہ کہ پیدائشی خصوصیات کی وجہ سے، تو یقیناً کبھی نہ کبھی دنیا کے کسی خطہ میں ایسا معاشرہ ضرور بنتا جس میں عورتوں کو غلبہ حاصل ہوتا۔ جب کہ پوری معلوم تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ حتیٰ کہ اشتراکی معاشرہ میں بھی ایسا نہیں ہے جو جنسی مساوات کا سب سے بڑا علم بردار ہے۔ روس کی وزارتی کابینہ میں ۶۲ طاقت ور وزراء شامل ہیں، مگر ان میں کوئی ایک بھی خاتون ممبر نہیں۔

علم الانسان کی ماہر خاتون ڈاکٹر مارگریٹ میڈ، جو خود بھی مساوات نسواں کی تحریک سے تعلق رکھتی ہیں، انھوں نے ساری عمر مختلف انسانی معاشروں کا مطالعہ کیا ہے۔ تاہم وہ لکھتی ہیں:

---

سادیت، کونت دی سادے (۱۷۴۰-۱۸۱۴) کی طرف منسوب ہے۔ اس سے مراد ایک قسم کی جنسی کجروی ہوتی ہے جس کے مبتلا کو اس میں لطف آتا ہے کہ وہ معشوق کو جسمانی تکلیف دے۔ "مرد سادی" کا مطلب یہ ہے کہ ایسا مرد جو عورت کے حق میں ظالم ہو

"ایسے تمام دعوے، جن میں زور شور کے ساتھ ایسے معاشروں کا انکشاف کیا گیا ہے جہاں عورتوں کو غلبہ حاصل تھا، بالکل لغو ہے۔ اس قسم کے عقیدہ کے لئے کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ ہر دور میں مرد ہی امور عامہ کے قائد رہے ہیں۔ اور گھر کے اندر بھی اعلیٰ اختیار ہمیشہ انہیں کو حاصل رہا ہے۔"

پروفیسر گولڈ برگ کہتے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرد، عورتوں سے بہتر (BETTER) ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مرد عورتوں سے مختلف (DIFFERENT) ہیں۔ مرد کا دماغ اس سے مختلف طرز پر کام کرتا ہے جس طرح عورت کا دماغ کام کرتا ہے۔ یہ فرق چوہوں وغیرہ کے نر اور مادہ میں بہت واضح طور پر تجربہ کیا جا چکا ہے۔ کچھ عورتیں مستثنیٰ ہو سکتی ہیں۔ مگر وہ بہت معمولی اقلیت ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مرد اور عورت ایک دوسرے سے مختلف ہیں، رحم مادر سے لے کر سوچنے کی صلاحیت تک۔ یہ فرق دونوں کی حیاتیاتی نوعیت کے فرق سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ کسی قسم کے سماجی حالات سے۔

(ڈیلی اکسپریس ۴ جولائی ۱۹۷۷)

---

# شاعر کا اعتراف

طرماح بن حکیم (م ۱۰۰ھ) اور کمیت بن زید اسدی دونوں ہم عصر شاعر تھے۔ دونوں کا نسب، وطن اور مذہب بالکل الگ الگ تھا۔ طرماح قحطانی، شامی اور خارجی تھا۔ اس کے برعکس کمیت، عدنانی، کوفی اور شیعہ تھا جیسا کہ معلوم ہے، خارجی حضرت علی کے دشمن تھے۔ خوارج کے چھ بڑے فرقے ہوئے ہیں، ازارقہ، نجدات، صفریہ، عجاردہ، اباضیہ ثعالبہ۔ یہ سب حضرت عثمان و حضرت علی سے برات و بیزاری میں متفق ہیں اور اپنے اس عقیدے کو تمام عبادتوں سے افضل سمجھتے ہیں۔ طرماح کا تعلق فرقہ ازارقہ سے تھا جو اتنا متشدد تھا کہ حضرت علی کو نعوذ باللہ کافر کہتا تھا اور آپ کے قاتل ابن ملجم کو برسر حق سمجھتا تھا۔ دوسری طرف کمیت شیعہ ہونے کی وجہ سے حضرت علی کی تعریف میں اتنا غلو کرتا تھا کہ آپ کو بشریت سے بلند مانتا تھا۔

اس شدید نظریاتی اختلاف کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے۔ کمیت کہتا تھا "ہم دونوں عوام سے بغض رکھنے میں متفق ہیں"۔ ایک بار دونوں شاعر مخلد بن یزید مھلبی کے یہاں گئے۔ اس نے دونوں کو عزت سے بٹھایا اور شعر سنانے کے لئے کہا۔ طرماح نے بیٹھے بیٹھے سنانا شروع کیا۔ مخلد نے کہا ہمیں کھڑے ہو کر سناؤ"۔ طرماح نے کہا: "ہرگز نہیں۔ شاعری کی عزت یہ نہیں کہ میں کھڑا ہو جاؤں اور وہ مجھے ذلیل کرے"۔ مخلد غصہ ہو گیا۔ اس نے کہا: تم کمیت کے لئے جگہ خالی کردو"۔ اب کمیت آگے بڑھا اور کھڑے ہو کر اشعار سنانے شروع کئے۔ مخلد بہت خوش ہوا۔ اور اس کو پچاس ہزار درہم انعام دیئے۔ جب دونوں باہر نکلے تو کمیت نے آدھے درہم طرماح کو دیئے۔ اس نے کہا: "اے ابوضبیبہ، تم خوددار ہو اور میں موقع پسند ہوں۔ اور وقت کے مطابق کام کرتا ہوں"۔

# خدا کی اس زمین پر

# کیا کیا پیش آیا ہے

حضرت شعیب حضرت ابراہیم کی نسل سے تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

شعیب بن میکیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیم

حضرت شعیب مدین کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے، یہ شہر بحر احمر کے کنارے واقع تھا۔

حضرت شعیب کو فصاحت میں کمال حاصل تھا اسی خصوصیت کی وجہ سے آپ کو "خطیب الانبیاء" کہا جاتا ہے۔ آپ نے بہترین اسلوب اور اعلیٰ ترین استدلال کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے حق کا پیغام دیا۔ اس کے جواب میں ان کی مدعو قوم نے جو کچھ کیا، اس کا ایک حصہ قرآن میں ان لفظوں میں بیان ہوا ہے:

"انھوں نے کہا، اے شعیب! تمھاری کہی ہوئی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہمارے درمیان ایک بے زور آدمی ہو۔ اگر تمھارے قبیلہ کا معاملہ نہ ہوتا تو ہم تم کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے۔ ہماری نظر میں تمھاری کوئی وقعت نہیں۔ پیغمبر نے کہا، اے قوم، کیا میرا قبیلہ تمھارے نزدیک زیادہ طاقت ور ہے خدا سے، جس کو تم نے پس پشت ڈال دیا، یقیناً میرے رب کے قابو میں ہے جو تم کرتے ہو۔ (ہود)

ایک شخص نے اپنی جماعت میں کوئی دنیوی بنیاد کھڑی کر لی ہو تو لوگ اس کے خلاف ہاتھ اٹھاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ حالاں کہ جس کے گرد و پیش بظاہر دنیوی بنیادیں نہ ہوں، اس کے خلاف کارروائی کرنے سے اور بھی زیادہ ڈرنا چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہاں خدا اس کی مدد کے لئے کھڑا ہوا ہو۔ اور جس کی مدد پر خود خدا کھڑا ہو اس کو کون تکلیف پہنچا سکتا ہے اور اگر تکلیف پہنچا دے تو اس کی سزا کتنی سخت بھگتنی پڑے گی۔

قدیم زمانہ میں جب کہ دنیا میں قبائلی نظام تھا، ہر آدمی اپنے قبیلہ کی پناہ میں ہوتا تھا، قبیلہ کے کسی فرد کو کوئی قتل کر دے تو پورے قبیلہ کی ذمہ داری ہو جاتی تھی کہ اس سے بدلہ لے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ میں اسلام کے دشمنوں نے غلاموں کو سخت ترین عذاب دیا حتیٰ کہ بعض کو مار ڈالا۔ مگر جو لوگ کسی قبیلہ سے وابستہ تھے۔ ان پر اس قسم کا ظلم کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عمر بن خطاب جب اسلام نہیں لائے تھے، ایک روز تلوار لے کر غصہ میں چلے جا رہے تھے، راستہ میں نعیم بن عبداللہ ملے۔ انھوں نے کہا من تريد يا عمر (اے عمر کس کا قصد ہے) انھوں نے کہا محمد کا قصہ تمام کرنے جا رہا ہوں۔ نعیم نے جواب دیا:

"والله لقد غرتك نفسك يا عمر، أترى بني عبد مناف تاركيك تمشي على الارض وقد قتلت محمدا"

خدا کی قسم اے عمر تمھارے نفس نے تم کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے۔ اگر تم نے محمد کو قتل کر دیا تو کیا بنو عبد مناف تم کو زمین پر چلتا ہوا چھوڑ دیں گے"، یہ سن کر وہ رک گئے۔

حضرت شعیب کی قوم نے آنجناب سے یہی بات کہی تھی "اگر ہم کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمھارا قبیلہ انتقام لینے کے لئے کھڑا ہو جائے گا تو ہم تمھارا خاتمہ کر دیتے"۔ حضرت شعیب نے جواب دیا کہ تم کو قبیلہ کا خوف ہے اور خدا کا خوف نہیں اگر تم نے مجھے ناحق قتل کرنے کی کوشش کی تو خدا میری پشت پر کھڑا ہو جائے گا اور وہ تم سے اتنا بڑا انتقام لے گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے

## انشاپردازی اس کو نہ بچاسکی

عبدالحمید بن یحییٰ (م ۱۳۲ھ) شام میں غیرعربی نسل میں پیدا ہوا۔ مگر اپنی غیر معمولی صلاحیت کی وجہ سے عربی انشاپردازی کا امام بن گیا۔ وہ بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان کا سکریٹری تھا۔ جب عباسیوں نے مروان کو مصر میں قتل کر دیا تو وہ بھاگ کر بحرین چلا گیا اور اپنے دوست ابن المقفع کے پاس مقیم رہا۔ عباسی سپاہی اسے ڈھونڈتے ہوئے ایک روز اچانک وہاں پہنچ گئے انھوں نے پوچھا۔ "تم میں سے کون عبدالحمید ہے" ان میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی کو بچانے کے لئے کہا کہ میں عبدالحمید ہوں سپاہیوں نے ابن مقفع کو پکڑ لیا اور چاہا کہ اسے قتل کر دیں۔ عین اس وقت عبدالحمید نے چلا کر کہا: ٹھیرو ہم میں سے ہر ایک کی کچھ علامتیں ہیں۔ اس لئے تم میں سے کچھ یہاں ہماری نگرانی کے لئے رہیں اور کچھ اپنے افسروں کے پاس جاکر مطلوبہ شخص کی علامت دریافت کریں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد عبدالحمید کو شناخت کر کے پکڑ لیا اور اس کو قتل کر ڈالا۔

عبدالحمید کا طرز بیان اتنا عمدہ تھا کہ پڑھنے والے پر جادو کا اثر کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بنوامیہ اور عباسیہ کے ٹکراؤ کے زمانہ میں اس نے عباسی تحریک کے لیڈر ابو مسلم خراسانی کے نام ایک خط لکھا یہ خط مروان کی طرف سے تھا۔ جب یہ خط پہنچا تو ابو مسلم نے اس خط کو اس ڈر سے نہیں پڑھا کہ اس کو پڑھ کر کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بنوامیہ کے بارے میں نرم پڑ جائے اور مروان کا حامی بن جائے۔ اس نے اس خط کو بغیر پڑھے جلا دیا۔ پھر ایک پرزہ پر اس کے جواب میں مروان کو یہ شعر لکھ بھیجا

محا السیف اسطار البلاغة وانتحیٰ

علیك لیوث الغاب من کل جانب

بلاغت کی سطروں کو تلوار مٹا دے گی اور جنگل کے شیر ہر سمت سے تمہارے اوپر حملہ کریں گے۔

## بہت سے یقین ناکافی معلومات کا نتیجہ ہوتے ہیں

میدہ اور کالک کے ملنے سے جو چیز بنتی ہے، وہ ہماری آنکھ کے لئے بھورے خاکستری رنگ کا سفوف ہوتا ہے۔ مگر اس سفوف کا باریک کیڑا، جو خود بھی سفوف کے ذروں کے برابر ہوتا ہے اور صرف خوردبین سے دیکھا جاسکتا ہے، اس کو کچھ سیاہ اور کچھ سفید "اینٹوں" کا ڈھیر سمجھتا ہے۔ اس کے مشاہدہ کے پیمانہ میں خاکستری سفوف کوئی چیز نہیں۔

یہ ایک سادہ سی مثال ہے جو یہ بتاتی ہے کہ انسانی رائیں کتنی غلط ہو سکتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رائے قائم کرنے کے بارے میں ہم کو انتہائی محتاط ہونا چاہئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے ذہن میں ایک نظریہ بنا لیتا ہے اور اس کو درست سمجھنے لگتا ہے۔ حالاں کہ وہ محض اس کی ناکافی معلومات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کے اپنے محدود ذہن کے باہر اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی

## فکری ڈھانچہ

ہر دور کا ایک فکری ڈھانچہ ہوتا ہے۔ آدمی اسی فکری ڈھانچہ میں سوچتا ہے اور اسی کے مطابق چیزوں کو اپنے لئے قابل فہم بناتا ہے۔ روسی کمیونسٹ پارٹی کی بیسویں کانگرس (۱۹۵۶) میں خروشچیف نے اشتراکی دنیا کے حق "جہنمی حالات" کا انکشاف کیا تھا۔ اس کے بعد سابق امریکی کمیونسٹ ہوورڈ فاسٹ ( ) نے کمیونزم سے علیحدگی اختیار کرلی۔ اس نے اپنے بیان میں کہا تھا۔ "میں خود اپنے فکری ڈھانچہ میں کمیونسٹ بنا" مارکس کی نظریاتی تشریح نے اس کو کمیونسٹ نہیں بنایا تھا۔ وہ ایک انسانیت دوست آدمی تھا اور اس ذہن کے تحت کمیونسٹ بن گیا تھا کہ یہ ظلم اور لوٹ کھسوٹ کو ختم کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ مگر جب اس کو معلوم ہوا کہ "مزدور ڈکٹیٹرشپ میں پہلے سے بھی زیادہ شدید شکل میں سماجی ظلم جاری ہے، تو اس نے کمیونزم کو چھوڑ دیا —— ہوورڈ فاسٹ اپنے فکری ڈھانچہ ہی میں کمیونزم کو لے سکتا تھا۔ جب کمیونزم اس کو اپنے فکری ڈھانچہ میں نہیں ملا تو وہ اس کے لئے قابل قبول نہ رہا۔

قدیم زمانہ میں عام طور پر دو قسم کے فکری ڈھانچے دنیا میں رائج تھے۔ ایک مشرکانہ، دوسرا فلسفیانہ۔ مشرکانہ فکری ڈھانچہ اس مفروضہ پر عمل کرتا تھا کہ دنیا کی ہر نمایاں چیز اپنے اندر خدا کا ایک "انش" لئے ہوئے ہے، وہ خدائی ہستی کی ایک توسیع ہے۔ اسی طرح فلسفیانہ فکر ذہنی قیاسات پر قائم تھا۔ یونان میں اس فلسفہ نے ترقی پاکر قیاسی منطق (SYLLOGISM) پیدا کی۔ پچھلے زمانہ میں پیغمبروں کے لائے ہوئے دین میں جو خرابیاں پیدا ہوئیں، وہ انھیں فکری ڈھانچوں کے رواج عام کی وجہ سے تھیں۔ اس کی ایک مثال موجودہ مسیحیت ہے۔ حضرت مسیح وہی سادہ اور فطری دین لے کر آئے جو قرآن میں ہم کو نظر آتا ہے۔ مگر آنجناب کے بعد آپ کے پیروؤں نے زمانی فکری ڈھانچہ سے متاثر ہوکر مسیحیت کو شرک اور فلسفہ کا ایک آمیزہ بنا دیا۔ "ابن اللہ" کا تصور مشرکانہ فکر سے متاثر ہونے کی وجہ سے مسیحیت میں شامل ہوا۔ اسی طرح کفارہ کے عقیدہ کے لئے قدیم فلسفیانہ فکر نے زمین فراہم کی۔

ساتویں صدی میں اسلام کے عظیم انقلاب کے باوجود مشرکانہ اور فلسفیانہ فکری ڈھانچے دنیا سے ختم نہ ہوسکے۔ اس کی وجہ سے اسلام، مختصر ابتدائی وقفہ کے بعد، بار بار مضاہاۃ (توبہ ۳۰) کا شکار ہوتا رہا۔ قرآن کی صورت میں اسلام کا الٰہی متن اگرچہ مکمل طور پر محفوظ تھا، مگر مسلمان قومیں عملی اسلام کو مروجہ افکار کے نقشہ میں ڈھالتی رہیں۔ زندہ اور مردہ بزرگوں کا مرکز عقیدت بننا جو مختلف صورتوں میں اسلام میں رائج ہوا، وہ مشرکانہ فکر سے متاثر ہونے کی مثال ہے۔ اسی طرح علم فقہ اور علم کلام، قیاسی منطق سے متاثر ہونے کی مثال۔ موجودہ زمانہ میں اسلام اس قسم کی تیسری اثر پذیری سے دوچار ہوا ہے۔ یہ "نظامی طرز فکر" ہے۔ انیسویں صدی میں، صنعتی انقلاب کے پیدا کردہ حالات کے نتیجہ میں، سیاسی اور معاشی اصطلاحوں میں سوچنے کا رواج ہوا تو مسلمانوں نے اسلام کو بھی سیاسی نظام اور معاشی نظام کی صورت میں پیش کرنا شروع کر دیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسلام جو حقیقۃً تعمیر آخرت کا موضوع تھا، تعمیر دنیا کا موضوع بن کر رہ گیا۔

بیسویں صدی کے نصف آخر میں پہلی بار یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ دنیا کا مروجہ فکری ڈھانچہ اور قرآن کا فکری ڈھانچہ دونوں ایک ہو گئے ہیں۔ قرآن کا فکری ڈھانچہ برہانیات پر قائم ہے۔ وہ حقائق اور واقعات کی بنیاد پر چلتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں سائنسی طرز فکر اسی کی علمی صورت ہے۔ اس کے رواج نے تاریخ میں پہلی بار انسانی فکر اور قرآنی فکر کی دوئی کو ختم کر دیا ہے۔ انسان کی فکری زمین آج وہی برہانیاتی زمین ہے جو قرآن کی زمین ہے۔ آج یہ ضرورت نہیں کہ اسلام کو لوگوں کے لئے قابل فہم بنانے کی خاطر کسی دوسرے فکری ڈھانچہ کا سہارا لیا جائے۔ آج ہم کو صرف یہ کرنا ہے کہ قرآن کو اس کی اپنی برہانیاتی زبان (نساء ۱۷۴) میں پیش کر دیں۔ یہی اس کو لوگوں کے نزدیک قابل قبول بنانے کے لئے کافی ہوگا۔

ایک پروفیسر سے راقم الحروف کی اسلام کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ میری زبان سے نکلا:

ISLAM MEANS REALISM -

اسلام کا مطلب ہے، حقیقت پسندی۔ وہ اسلام کی اس تشریح سے بے حد متاثر ہوئے۔ انھوں نے کہا: "اسلام اگر حقیقت واقعہ سے مطابقت کا دوسرا نام ہو، تو کون ہوگا جو اس کا انکار کرے گا" اسلام اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ آدمی صورت واقعہ کو تسلیم کرے۔ سوچ کا معاملہ ہو یا عمل کا، آدمی وہی کرے جو عالم خارجی کے تقاضوں کے مطابق ہو:

| | |
|---|---|
| أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا (آل عمران — ۸۳) | کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کسی اور طریقہ کو چاہتے ہیں حالاں کہ اسی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے خوشی سے اور ناخوشی سے۔ |

سائنس اس قسم کے ایک "دین" کے لئے بہترین ذہنی زمین فراہم کرتی ہے۔ سائنس، یعنی علوم قطعیہ (EXACT SCIENCES) اپنی عین فطرت کے مطابق قطعیت فکر (EXACT THINKING) یا صحت فکر (پریسائز تھنکنگ) پیدا کرتے ہیں۔ اس قسم کے ایک ذہن کے لئے اسلام کی بات اسی طرح قابل فہم بن جاتی ہے جس طرح ایک قانون پسند آدمی کے لئے ایک قانونی نکتہ۔

کہا جاتا ہے کہ ایک بار کسی مجلس میں خدا کے وجود پر بحث ہو رہی تھی۔ مسئلہ طے نہیں ہو رہا تھا۔ بستی میں ایک بزرگ تھے۔ جب بحث لمبی ہو گئی تو کچھ لوگ ان کے پاس گئے اور کہا کہ آپ ہماری مجلس میں چلیں اور ہماری مدد فرمائیں۔ وہ اپنے حجرے سے نکل کر آئے۔ مگر مجلس کے سامنے انھوں نے کوئی لمبی تقریر نہیں کی۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے یہ آیت پڑھی:

افی اللہ شک فاطر السموٰت والارض

اور اٹھ کر چلے آئے۔ بحث ختم ہو گئی۔ لوگ خدا کے وجود کے قائل ہو گئے۔

سیکڑوں برس پہلے جس چیز نے لوگوں کو مطمئن کیا تھا، وہ آیت کا ادبی زور یا قیاسی استدلال تھا۔ یعنی یہ کہ جب ایک کائنات ہے تو اس کا پیدا کرنے والا بھی ہونا چاہیے۔ تاہم آج کے انسان کے لئے اس کے اندر ایک زبردست واقعاتی استدلال موجود ہے۔ "فاطر" کے معنی عربی زبان میں ہیں، پھاڑنے والا۔ آج کا انسان جس زمین و آسمان سے واقف ہے، وہ ایک پھیلتی ہوئی کائنات ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک ایسی کائنات جو ابتداءً سکڑی ہوئی تھی۔

پھر پھاڑی گئی۔ اس وقت اس کے تمام اجزاء (ایٹم) اندر کی طرف بے پناہ طاقت کے ساتھ کھنچے ہوئے تھے۔ اس واحد مجموعۂ مادہ (سپرایٹم) کے تماو کا پھٹ کر بیرونی خلا میں منتشر ہونا کسی خارجی قوت کی مداخلت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ پندرہ بلین سال پہلے اس سپرایٹم میں اخراج طاقت (ENERGY RELEASE) کا ایک واقعہ ہوا اور اس کے بعد کائنات اپنے چاروں طرف تیزی سے پھیلنے لگی ——— کل کا انسان جس خدا کی ہستی کو قیاس کے تحت سمجھتا تھا، آج کے انسان کے لئے ممکن ہو گیا ہے کہ وہ اس کو واقعات و حقائق کی روشنی میں سمجھ لے۔

عرب میں اسلام کو سربلند کرنے کے لئے جو طریق عمل اختیار کیا گیا، اس کو قرآن میں اطراف ارض کو گھٹانے کے عمل (رعد ۴۱) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی حریف سے یکبارگی لڑ پڑنے کے بجائے دھیرے دھیرے اس کی دنیا میں داخل ہونا۔ یہ بات قدیم زمانہ میں زیادہ تر اخلاقی طور پر ہی سمجھی جا سکتی تھی۔ آج وہ ایک ٹھوس حقیقت کے طور پر قابل فہم بن گئی ہے۔ کیونکہ آج کا انسان جن بڑے بڑے منصوبوں کا تجربہ کر رہا ہے، وہ اس کے سوا کسی اور طریقے سے مکمل ہی نہیں کئے جا سکتے۔

والٹر شیرا (WALTER M. SCHIRRA) ایک امریکی خلاباز ہے۔ وہ انسان سوار تین خلائی کشتیوں پر بالائی خلا کا سفر کر چکے ہیں۔ ستمبر ۱۹۷۲ میں وہ ایک عالمی دورہ کے تحت ہندستان آئے تھے۔ ایک تقریر میں انھوں نے امریکہ کی خلائی مہم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

> THE TECHNOLOGY THAT ESSENTIALLY PERMITTED US TO GET INTO SPACE WAS A NIBBLING PROJECT. WE DID ONE THING AT A TIME --- WE TOOK SMALL STEPS INSTEAD OF GIANT STEPS. THE GIANT STEP WAS FINALLY TAKEN, OF COURSE.
>
> Link Weekly (Delhi) October 22, 1972

وہ ٹکنالوجی جس نے بنیادی طور پر ہم کو خلا میں داخل ہونے کا موقع دیا، وہ تھوڑا تھوڑا آگے بڑھنے کا منصوبہ تھا۔ ہم نے ایک وقت میں صرف ایک کام کیا۔ ہم نے چھوٹے چھوٹے اقدامات کئے۔ ایسا نہیں کیا کہ یکبارگی بڑا قدم اٹھا دیں۔ بلاشبہ بڑا قدم اٹھایا گیا۔ مگر سب سے آخر میں۔

اسلام نے تدریجی عمل کی تلقین کی تھی۔ مگر شاعری اور تلوار کے زمانہ کا انسان اس کو پوری طرح سمجھ نہیں پایا تھا۔ سائنس کے دور میں اس قسم کا عمل ایک ایسی ٹکنکل ضرورت بن چکا ہے جس کے بغیر کوئی نتیجہ خیز کام کیا ہی نہیں جا سکتا۔ آج کے سائنسی انسان کے لئے اسلام کا طریق عمل، پچھلے دور کے انسان کے مقابلہ میں، زیادہ بہتر طور پر قابل فہم بن چکا ہے۔

۱۹۶۵ کی بات ہے۔ لکھنؤ میں میری ملاقات ایک صاحب سے ہوئی۔ انھوں نے فلسفہ میں ایم۔ اے کیا تھا۔ اور برٹرینڈرسل پر ریسرچ کی تھی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ پورے طور پر ملحد ہو چکے تھے۔ ایک روز گفتگو کے دوران انھوں نے کہا:

خدا کو ثابت کرنے کے لئے آپ کے پاس کرائٹیرین (معیار استدلال) کیا ہے۔

میری زبان سے نکلا: "وہی کرائیٹیرین جو آپ کے پاس کوئی چیز ثابت کرنے کے لئے ہو"۔ ایک جملہ انھوں نے کہا۔ ایک جملہ میں نے۔ اور اس کے بعد گفتگو ختم ہو گئی۔ اس کی وجہ مخاطب کا سائنٹفک ذہن تھا۔ وہ جانتے تھے کہ سائنس نے جو دنیا دریافت کی ہے، وہ اتنی پیچیدہ ہے کہ کسی چیز پر بھی براہ راست دلیل قائم نہیں کی جا سکتی۔ ہمارے لئے بالواسطہ استدلال، بالفاظ دیگر استنباطی استدلال، کے سوا چارہ نہیں اور خدا کے وجود کو ثابت کرنے میں عقلی مشکلات صرف اس وقت تک ہیں جب تک براہ راست استدلال پر اصرار کیا جائے۔ استنباطی استدلال کو جائز استدلال تسلیم کرنے کے بعد خدا کے وجود کو ثابت کرنا اتنا ہی یقینی بن جاتا ہے جتنا کسی دوسری معلوم چیز کے وجود کو ثابت کرنا۔

یہ چند مثالیں ہیں جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ موجودہ زمانہ کا ذہنی ڈھانچہ، ابتدائی زمین کی حد تک، کتنا زیادہ اسلام کے موافق ہو چکا ہے۔ اسلام کا پیغام، آج کے انسان کے لئے، تاریخ کے تمام معلوم زمانوں سے زیادہ، قابل قبول ہو چکا ہے۔ آج ساری ضرورت صرف یہ ہے کہ اسلام کو، تمام انسانی اضافوں سے الگ کرکے، اس کی بے آمیز شکل میں لوگوں کے سامنے رکھ دیا جائے۔ اس کے بعد اس واقعہ کو ظہور میں آنے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی کہ "کوئی خیمہ یا مکان نہ بچے جہاں اسلام داخل نہ ہو گیا ہو"، اور کوئی سینہ نہ ہو جس کے اندر اسلام کی فطری آواز نے اپنی جگہ نہ بنائی ہو۔

## مسیح کی زبان سے

آسمان کی بادشاہی اس بڑے جال کی مانند ہے جو دریا میں ڈالا گیا۔ اور اس نے ہر قسم کی مچھلیاں سمیٹ لیں۔ اور جب بھر گیا تو اسے کنارے پر کھینچ لائے۔ اور بیٹھ کر اچھی اچھی تو برتنوں میں جمع کر لیں اور جو خراب تھیں پھینک دیں۔ دنیا کے آخر میں ایسا ہی ہوگا۔ فرشتے نکلیں گے اور شریروں کو راستبازوں سے جدا کر دیں گے۔ اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ متی ۱۳ : ۵۰-۴۷

# ایک نفسیاتی کمزوری

قرآن کی سورہ نمبر ۷۴ میں بتایا گیا ہے کہ جہنم کے اوپر ۱۹ فرشتے مقرر ہوں گے۔ جب یہ آیتیں اتریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پڑھ کر مکہ والوں کو سنایا تو مخالفین کو آپ کی دعوت کا مذاق اڑانے کا بہت اچھا بہانہ ہاتھ آگیا۔ ابوجہل نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "بھائیو! کیا تم اتنے گئے گزرے ہو کہ تم میں سے دس دس آدمی مل کر بھی دوزخ کے ایک ایک سپاہی سے نمٹ نہ لیں گے۔" بنی جمح کا ایک پہلوان بولا: "سترہ سے تو میں اکیلا نمٹ لوں گا۔ باقی دو کو تم لوگ دیکھ لینا۔"

یہ لوگ اتنے بے وقوف نہ تھے کہ اس بات کو نہ جانیں کہ انیس کے معنی ہیں خدا کے انیس۔ اور خدا کا تو ایک ہی سارے عالم کو زیر کرنے کے لئے کافی ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اپنے ہی جیسا ایک انسان دیکھ رہے تھے۔ بلکہ دنیوی جاہ و مرتبہ میں آپ ان سے بھی بہت کم تھے۔ ایسی حالت میں ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان کے درمیان کا ایک معمولی انسان خدا کی طرف سے بول سکتا ہے۔ ایسا کہہ کر در اصل وہ رسول کا مذاق اڑا رہے تھے نہ خدا اور اس کے فرشتوں کا۔

انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ کسی بات کو اس کی اندرونی حقیقت کے اعتبار سے نہیں دیکھ پاتا۔ وہ حقیقت کو اس کے ظاہر کے پہلو سے جانچتا ہے۔ وہ "بات" کے بجائے بات کہنے والے کو دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبیوں کے پیغام کی اہمیت ان کے مخاطبین کی سمجھ میں نہ آسکی۔ نبی اپنے ظاہری حلیہ کے اعتبار سے ان کو ایک معمولی انسان نظر آتا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک معمولی انسان کو یہ درجہ کیسے مل سکتا ہے کہ خدا کی تجلیات اس پر نازل ہوں، وہ اس مقام پر کھڑا کیا جائے کہ لوگوں کو امر حق سے آگاہ کرے۔ انھوں نے پیشگی فرض کر لیا تھا کہ یہ ایک غیر اہم آدمی ہے، اس لئے اس کی ہر بات ان کو غیر اہم نظر آتی تھی۔

# اس میں آپ کے لئے سبق ہے

ہنری ہراس (۱۸۸۹ - ۱۹۵۶) ایک اسپینی مسیحی تھے۔ وہ ۳۴ سال کی عمر میں ۱۸ نومبر ۱۹۲۲ کو بمبئی کے ساحل پر اترے۔ ہندستان کی زمین نے انھیں متاثر کیا اور انھوں نے طے کر لیا کہ وہ اسی ملک میں رہ کر کام کریں گے۔

فادر ہراس (Fr HENRY HERAS) چند دن بعد سینٹ زیویرس کالج کے پرنسپل سے ملے۔ وہ ایک تاریخ داں تھے۔ اس لئے پرنسپل نے پوچھا "آپ کون سی تاریخ پڑھانا پسند کریں گے۔" فادر ہراس نے فی الفور جواب دیا "ہندستانی تاریخ"۔ پرنسپل کا اگلا سوال تھا "ہندستانی تاریخ کے بارے میں آپ کا مطالعہ کیا ہے۔" انھوں نے جواب دیا "کچھ نہیں"۔ "پھر آپ کیسے ہندستانی تاریخ پڑھائیں گے۔" فادر ہراس کا جواب تھا:

I SHALL STUDY IT

"میں ہندستانی تاریخ کو پڑھ کر اپنے آپ کو تیار کروں گا پھر اس کو پڑھاؤں گا۔"

فادر ہراس نے ہندستانی تاریخ کے مطالعہ میں اتنی زیادہ محنت کی کہ وہ سر جادو ناتھ سرکار اور ڈاکٹر سریندر ناتھ سین کے درجہ کے مورخ بن گئے۔ آج بمبئی میں ان کے نام پر تاریخی مطالعہ کا ایک بہت بڑا ادارہ قائم ہے جس کا نام ہے۔ ہراس انسٹی ٹیوٹ۔

# ساٹھ کروڑ کام

اپادھیایی (سابق صدر جن سنگھ) کی موت پر مختلف لوگوں نے مختلف تبصرے کئے۔ مگر ایک تبصرہ ایسا تھا جس نے میرے سارے وجود کو جھنجھوڑ دیا۔

—— "اپادھیایی جب تک موجودہ دنیا میں تھے، انھوں نے قوم کے مسئلہ کو اصل مسئلہ سمجھا" کہنے والے نے کہا "مگر اب موت کے بعد انھیں معلوم ہوا ہوگا کہ اصل مسئلہ خود اپنی ذات کا مسئلہ ہے۔"

یہ تبصرہ صرف مرنے والے کے اوپر نہیں بلکہ زندہ رہنے والوں کے لئے بھی ہے۔ وہ ہمارے اوپر تنقید ہے۔ کیونکہ اس زمین پر صرف مسلمان ہی ہیں جو اس حقیقت کو جانتے ہیں۔ مگر انھوں نے دوسروں کو اس حقیقت سے آگاہ نہیں کیا۔ انھوں نے ماحول کے اندر اگر اپنا کوئی تعارف کرایا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ وہ ایک قوم ہیں جو اپنے لئے کچھ حقوق کی طلب گار ہے۔ انھوں نے اب تک اپنا یہ تعارف پیش نہیں کیا ہے کہ وہ نبی آخرالزماںؐ کی امت ہیں ان کے پاس حقیقت کا وہ علم ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں۔

ہمارے ملک میں ہر روز جو سب سے بڑا واقعہ پیش آتا ہے، وہ یہ کہ یہاں بسنے والے انسانوں میں سے ایک لاکھ پچیس ہزار آدمی مرجاتے ہیں کوئی نہیں جانتا کہ موت کے فرشتے کل کے لئے جن ایک لاکھ پچیس ہزار انسانوں کی فہرست تیار کر رہے ہیں، اس میں ہمارے ملک کے باشندوں میں سے کس کس کا نام ہو۔ یہ سارے لوگ اس حالت میں موت کی طرف چلے جارہے ہیں کہ انھیں کچھ نہیں معلوم کہ موت کے بعد کیا پیش آئے گا۔ اب چونکہ صرف مسلمان ہی وہ گروہ ہیں جن کے پاس حقیقت کا صحیح علم ہے، اس لئے ہماری ذمہ داری بے حد شدید ہوجاتی ہے۔ اس ملک کی آبادی اگر ساٹھ کروڑ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ساٹھ کروڑ کام کرنے ہیں۔ ہمیں ساٹھ کروڑ انسانوں تک پہنچ کر خدا کا پیغام حق سنانا ہے۔ کیونکہ آج ہر انسان حقیقت سے غافل ہے۔ ہر آدمی اس کا حاجت مند ہے کہ اس کو دینِ حق کا پیغام پہنچایا جائے۔ اس کو ان مسائل سے آگاہ کیا جائے جو مرنے کے بعد سامنے آنے والے ہیں۔

# ارتقار کا افسانہ

نظریہ ارتقار کے حامیوں نے بہت سے "قدیم انسان" دریافت کئے ہیں۔ مثلاً پلٹ ڈاؤن مین، نیندرتھل مین، پیکنگ مین، جاوا مین وغیرہ۔ قدیم انسان کی یہ تمام صورتیں فاسل کی بنیاد پر بنائی گئی ہیں جو زمین میں کھدائی سے برآمد ہوئی ہیں۔ نظریہ ارتقار زندگی کی مختلف قسموں کے لئے جس عمل کو فرض کرتا ہے اس کے مطابق درمیانی انواع حیات
(INTERMEDIATE SPECIES)
کا وجود بھی لازماً ہونا چاہئے۔ مگر ایسی انواع ابھی تک گم شدہ کڑیوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ڈارون نے تسلیم کیا تھا کہ درمیانی انواع حیات کے نمونے ہمارے پاس موجود نہیں ہیں۔ تاہم ڈارون کے بعد قدیم فاسل کی بنیاد پر بہت سی عجیب وغریب انسانی شکلیں بنائی گئی ہیں۔ اور یہ فرض کیا جاتا ہے کہ یہ انسانی سلسلۂ حیات کی قدیم ارتقائی کڑیاں ہیں۔

انھیں میں سے ایک نیندرتھل مین ہے جو جرمنی کی نیندر نامی وادی کی طرف منسوب ہے۔ اس قسم کی ہڈیاں اور ڈھانچے ۱۸۵۶ سے ۱۹۰۸ تک ایشیا، یورپ، شمالی افریقہ کے تقریباً ۵۰ مقامات پر ملے۔

پروفیسر بول (MARCELLIN BOULE) نے ان ٹکڑوں کا مشاہدہ کرکے ان کی جو تعبیر کی، اس کو عام طور پر تسلیم کرتے ہوئے اس کو ابتدائی انسانی سلسلے کی ایک کڑی مان لیا گیا —— گم شدہ کڑیوں میں سے ایک کڑی معلوم کرلی گئی۔

نیندرتھل مین کی تصویریں کتابوں میں چھپنے لگیں۔ حتیٰ کہ اس کے مجسمے بن گئے۔ مگر بعد کو علمائے حیاتیات نے جو تحقیقات کیں، اس نے بتایا کہ پروفیسر بول نے اندازہ کرنے میں کئی اہم غلطیاں کی تھیں۔ ۱۹۵۵ میں ولیم اسٹراس (جانسن ہاپکنس یونیورسٹی) اور اے۔ جے۔ ای کیو (لندن) نے نیندرتھل مین کے بنائے گئے ڈھانچہ کا از سر نو جائزہ لیا۔ یہ رپورٹ مکمل طور پر کوارٹرلی ریویو میں چھپ چکی ہے:

QUARTERLY REVIEW OF BIOLOGY
XXX111 (1957)

محققین لکھتے ہیں کہ نیندرتھل مین کا ڈھانچہ جو ۴۰-۵۰ سال کی عمر کے ایک آدمی کا ہے وہ گٹھیا کی بیماری سے بوسیدہ ہوگیا تھا۔ اس بیماری نے آدمی کے نچلے جبڑے اور اس کی گردن اور پورے ڈھانچہ کو متاثر کیا۔ اس آدمی کے سر کا آگے کی طرف جھکاؤ جو پروفیسر بول نے نوٹ کیا تھا، وہ کم ازکم جزوی طور پر، اس کی بیماری کے سبب سے تھا۔ حقیقۃً اس آدمی کا ڈھانچہ ویسا ہی تھا جیسا آج ایک اوسط فرانسیسی آدمی کا ڈھانچہ۔ حتیٰ کہ جدید تحقیقات نے یہ بھی بتایا ہے کہ نیندرتھل کے دماغ (BRAIN) کا سائز بھی تقریباً وہی تھا جو آج ایک اوسط یورپی شخص کا ہوتا ہے۔ اس کے بال درست کرکے اور موجودہ لباس پہنا کر کھڑا کر دیا جائے تو آج کے مہذب انسان سے وہ کچھ بھی مختلف معلوم نہیں ہوگا۔ حال میں نیندرتھل مین کے جو مزید فاسل ملے ہیں وہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ وہ ابتدائی کڑی نہیں بلکہ آج کے ایک انسان کی مانند تھا۔ نیندرتھل انسان، لفظ انسان کے تمام مفہوم کے اعتبار سے مکمل انسان تھا۔

F. CLARK HOWELL,
EARLY MAN.
NEW YORK, TIME-LIFE BOOKS, 1968
pp 123-24

## مابعدالطبیعیات کی طرف

انسانی دماغ کی بناوٹ دس سال پہلے تک، ایک راز سمجھی جاتی تھی۔ آج سائنس دانوں کا خیال ہے کہ وہ راز کے اوپر سے بہت سے پردے ہٹانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ مگر انسانی دماغ کے بارے میں معلومات میں جو اضافہ ہوا ہے، وہ حیرت انگیز طور پر قدیم مفروضات کی تردید کر رہا ہے۔ پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ، انسانی دماغ میوسین دور (MIOCENE PERIOD) کے بعد چودہ ملین سال میں ترقی کر کے موجودہ حالت تک پہنچا ہے۔ مگر موجودہ معلومات بتاتی ہیں کہ انسانی دماغ، سابقہ قیاس کے برعکس، اتنا زیادہ پیچیدہ ہے کہ مذکورہ مدت اس کے ارتقاء کے لئے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتی۔

انسانی دماغ کے سلسلے میں ایک سوال یہ ہے کہ وہ "موڈ" کو کس طرح بدلتا ہے۔ اس سلسلے میں تحقیق کرنے والوں نے دواؤں کے ذریعہ مصنوعی طور پر موڈ کو بدلنے کی کوشش کی۔ یہ دوائیں مختلف کیفی حالات کو گھٹا بڑھا سکتی تھیں یا ان کو بدل سکتی تھیں۔ مثلاً نیند کو کم یا زیادہ کرنا، جنسی جذبات کو متاثر کرنا، حافظہ کی مدت کو مختصر یا لمبا کرنا، احساس حسن کو گھٹانا بڑھانا۔ وغیرہ۔

مگر اس میدان میں تحقیق کرنے والے اپنی تحقیق کے نتائج سے کسی قدر گھبرا رہے ہیں۔ کیوں کہ انھیں معلوم نہیں کہ وہ حقیقۃً کس منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں:

THE RESEARCHERS ARE SLIGHTLY PERTURBED SINCE THEY FEEL THEY DON'T KNOW WHERE THEY ARE REALLY HEADED. PERHAPS THEY ARE STEPPING INTO THE REALM OF METAPHYSICS.

شاید وہ مابعدالطبیعیات کی دنیا میں داخل ہو رہے ہیں۔

(ٹائمس آف انڈیا ۲۸ جنوری ۱۹۷۸)

## ۔۔۔ مگر اس کے لئے لوگ چندہ نہیں دیں گے

پھلواری شریف کے چند نوجوان جلسہ سیرت کا پروگرام بنا رہے تھے۔ ان کا جذبہ یہ تھا کہ پھلواری شریف ایک تاریخی بستی ہے۔ لہذا جلسہ بھی تاریخی نوعیت کا ہونا چاہئے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کتنا روپیہ خرچ کرو گے۔ جواب ملا کہ چار پانچ ہزار روپیہ چندہ ہو جائے گا۔ میں نے کہا بلاشبہ ہمارے لئے یہ بات باعث فخر ہے کہ ہم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہیں۔ ان کی محبت ہماری سب سے قیمتی متاع ہے۔ لیکن ان کی یاد کو تازہ رکھنے، ان کے اسوۂ حسنہ کو عام کرنے کے لئے جلسہ ہی کیا ضروری ہے، پھلواری شریف میں کوئی اچھی لائبریری نہیں۔ اتنی رقم سے ایک اچھی لائبریری کی بنیاد ڈالی جا سکتی ہے جس میں سیرت پر اعلیٰ درجہ کا لٹریچر ہو اور اسی لائبریری میں تعلیم بالغان کا ایک مرکز بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ جلسہ کی تقریر ہوا میں تحلیل ہو جائے گی۔ لائبریری کا فیض پورے سال بھر لوگوں کو پہنچتا رہے گا۔ نوجوان میری بات سن کر قائل ہو گئے۔

انھوں نے کہا "لیکن لائبریری کے لئے لوگ چندہ نہیں دیں گے جب کہ جلسہ کے لئے آسانی سے رقم فراہم ہو جائے گی۔" (نقیب ۱۶ جنوری ۱۹۷۸)

# ڈیگال ازم: اپنی مقبولیت کی قیمت پر قوم کے مستقبل کی تعمیر

ہندوستان کے وزیر خارجہ مسٹر اٹل بہاری باجپئی نے فروری ۱۹۷۸ کے پہلے ہفتہ میں پاکستان کا دورہ کیا۔ اس موقع پر پاکستان کے فوجی حکمراں جنرل ضیاء الحق نے اخبار نویسوں سے بات کرتے ہوئے کہا:

THE BEST DESCRIPTION I CAN GIVE OF MR VAJPAYEE IS THAT AS A POLITICIAN IN OFFICE HE IS DIFFERENT FROM WHAT HE WAS IN THE OPPOSITION.

مسٹر باجپئی کے بارے میں بہترین الفاظ جو میں کہہ سکتا ہوں، وہ یہ کہ بحیثیت وزیر حکومت وہ اس سے مختلف ہیں جیسے کہ وہ اس وقت تھے جب کہ وہ اپوزیشن میں تھے۔

دونوں ملکوں کے لیڈروں کے درمیان اسلام آباد میں جو گفتگو ہوئی، اس میں کشمیر کا مسئلہ نمایاں رہا۔ اس واقعہ کے باوجود کہ دونوں ممالک اپنے تعلقات کو مستحکم بنانے کے لئے پوری طرح سنجیدہ تھے، طرفین نے محسوس کیا کہ کشمیر کا مسئلہ دونوں کے تعلقات کو معمول پر لانے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، کیونکہ:

THE PUBLIC OPINION IN INDIA WAS VERY SENSITIVE ON THIS SUBJECT.

ہندستان کی رائے عامہ اس مسئلہ کے بارے میں بے حد حساس ہے۔ دوسری طرف جنرل ضیاء الحق نے صفائی کے ساتھ کہا کہ بنیادی مشکل یہ ہے کہ:

WE ARE ALLERGIC ON KASHMIR

کشمیر کے معاملہ میں ہم پاکستانی الرجک واقع ہوئے ہیں۔

ٹائمس آف انڈیا، ۷ فروری ۱۹۷۸

یہ اخباری رپورٹ بتاتی ہے کہ موجودہ زمانہ کی "جمہوری سیاست"، کس تضاد سے دوچار ہے۔ ایک لیڈر جب تک ایوان حکومت کے باہر ہوتا ہے، وہ آتشین تقریریں کرتا ہے، کیونکہ ہندو پاک جیسے علاقہ میں عوامی لیڈر بننے کا یہ سب سے آسان طریقہ ہے۔ مگر اس کی سیاسی مقبولیت جب اس کو حکومت کی کرسی پر پہنچا دیتی ہے تو معاملہ بدل جاتا ہے۔ اب اس کو محسوس ہوتا ہے کہ حکومت کا انتظام چلانے کے لئے حقیقت پسندی کی ضرورت ہے۔ مگر یہاں عوام کی وہی جذباتیت، حقیقت پسندانہ سیاست کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے جو اس سے پہلے حزب اختلاف کی سیاست چلانے کے لئے سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوئی تھی۔ اس تضاد کا واحد حل "ڈیگال ازم" ہے یعنی اپنی مقبولیت کی قیمت پر ملک کے مستقبل کی تعمیر۔ جنرل ڈیگال نے الجیریا کو آزاد کرکے اچانک فرانس کو یورپ کا سب سے طاقت ور ملک بنا دیا۔ اگرچہ اس کے بعد ڈیگال کی اپنی سیاسی زندگی ختم ہوگئی ——— ڈیگال ازم عملاً سیاسی خودکشی کے ہم معنی ہے۔ اور خودکشی کی معروف قسم جتنی عام ہے، یہ دوسری قسم اتنی ہی کمیاب ہے۔

الرسالہ کے اگلے شمارہ (اپریل ۱۹۷۸) میں ایک انتہائی اہم مضمون آرہا ہے جس میں دس زندہ سائنسدانوں نے کائنات کے بارہ میں حیرت انگیز حقائق کا انکشاف کیا ہے ——— ایڈیٹر

## یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے

مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۴ میں "دارالارشاد" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا۔ ادارہ کے مقاصد بیان کرتے ہوئے انھوں نے لکھا:

"ہمارے کاموں کی بڑی قسمیں صرف دو ہی ہیں — مسلمانوں کی داخلی اصلاح واحیائے علم وعمل، اور غیر قوموں میں اسلام کی تبلیغ۔ یہ دونوں کام بغیر کسی ایسی جماعت کی موجودگی کے انجام نہیں پاسکتے۔ جس قدر تحریکیں، انجمنیں، کانفرنسیں اور متفرق کوششیں بغیر اس کے ہوں گی، وہ اسی طرح ضائع ہو جائیں گی جس طرح اب تک ضائع ہو چکی ہیں" البلاغ ۱۲ نومبر ۱۹۱۵

چالیس سال پہلے مولانا آزاد کا یہ تجزیہ کس قدر صحیح تھا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ دنوں بعد وہ ان دونوں کاموں کو چھوڑ کر "متفرق کوششوں" بالفاظ دیگر سیاست کی لائن پر چل پڑے۔ اگرچہ وہ آخر وقت تک یہی اعلان کرتے رہے کہ "میں نے ۱۶ سال کی عمر میں اپنے لئے جو راستہ مقرر کیا تھا، اسی پر میں آج بھی قائم ہوں"

یہی موجودہ زمانہ میں تقریباً تمام شخصیتوں کا حال ہوا ہے۔ وہ آغاز میں ایک خالص دینی مقصد لے کر اٹھیں۔ مگر دھیرے دھیرے ان کی گاڑی سیاست کی پٹری پر اتر گئی۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ ہر ایک آخر وقت تک یہی اعلان کرتا رہا کہ وہ اب بھی اسی مقصد پر قائم ہے جو اس نے شروع میں اپنے سامنے رکھا تھا۔

---

## وقت گزرنے کے بعد

۳۰ جنوری ۱۹۴۸ کو مہاتما گاندھی کو گولی سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ اس وقت سے ہر سال یہ دن "یوم شہیداں" کے طور پر منایا جاتا ہے۔ ۳۰ جنوری ۱۹۷۸ کو اس موقع پر جو تقریبات ہوئیں، ان میں سے ایک یہ تھا کہ برطانی نوبل انعام یافتہ لارڈ فلپ نویل بیکر کو لکچر کے لئے مدعو کیا گیا۔ اس اجتماع کی صدارت مسٹر اٹل بہاری باجپئی نے انجام دی۔

مسٹر باجپئی، جو اس وقت ہندستان کے وزیر خارجہ ہیں، ۱۹۴۸ میں ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی (ہندو مہاسبھا) کے پرسنل سکریٹری تھے۔ مسٹر باجپئی کی صدارتی تقریر کی جو رپورٹ اخبارات میں آئی ہے، اس کا ایک حصہ یہ ہے۔

MR ATAL BEHARI VAJPAYEE, EXTERNAL AFFAIRS MINISTER, CONFESSED HERE TODAY THAT HE HAD FOUND MAHATMA GANDHI WANTING AT THE TIME OF INDIA'S PARTITION IN HIS APPROACH TO THE COMMUNAL QUESTION.

The Times of India, 31.1.1978

وزیر خارجہ مسٹر اٹل بہاری باجپئی نے اپنی تقریر میں اعتراف کیا کہ اُس وقت ان کا خیال تھا کہ مہاتما گاندھی نے ملک کی تقسیم کے وقت فرقہ وارانہ سوال پر جو موقف اختیار کیا، وہ قومی معیار سے گرا ہوا تھا۔ (مگر اب وہ سمجھتے ہیں کہ مہاتما گاندھی کا موقف ہی درست تھا)

حقیقت پسند رہنماؤں کے ساتھ اکثر یہ المیہ پیش آتا ہے کہ ان کے وقت کے پرجوش لوگ ان کے موقف کو پست ہمتی کا موقف سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ بعد کے حالات ثابت کرتے ہیں کہ وہی زیادہ صحیح اور قابل عمل تھا۔

# بناوٹی قصے

"شیخ ابویزید قرطبی فرماتے ہیں۔ میں نے یہ سنا کہ جو شخص ستر ہزار بار لا الہ الا اللہ پڑھے اس کو دوزخ کی آگ سے نجات ملے۔ میں نے یہ خبر سن کر ایک نصاب یعنی ستر ہزار کی تعداد اپنی بیوی کے لئے بھی پڑھا۔ اور کئی نصاب خود اپنے لئے پڑھ کر ذخیرۂ آخرت بنایا۔

ہمارے پاس ایک نوجوان رہتا تھا جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ صاحب کشف ہے۔ جنت دوزخ کا بھی اس کو کشف ہوتا ہے۔ مجھے اس کی صحت میں کچھ تردد تھا۔ ایک مرتبہ وہ نوجوان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا۔ دفعتہً اس نے ایک چیخ ماری اور اس کا سانس پھولنے لگا۔ اس کی ماں مرچکی تھی۔ اس نے بتایا کہ میں نے ابھی اپنی ماں کو دیکھا ہے۔ وہ دوزخ میں جل رہی ہے۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ میرے پاس لا الہ الا اللہ کے پڑھے ہوئے جو نصاب ہیں، ان میں سے ایک نصاب اس کی ماں کو بخش دوں۔ اس طرح اس نوجوان کی سچائی کا بھی تجربہ ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے ایک نصاب ستر ہزار کا، ان نصابوں میں سے جو اپنے لئے پڑھے تھے، اس کی ماں کو بخش دیا۔ یہ میں نے چپکے ہی سے اپنے دل میں بخشا تھا اور میرے اس پڑھنے کی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہ تھی۔ مگر اس کے بعد فوراً ہی وہ نوجوان کہنے لگا کہ چچا! میری ماں دوزخ کے عذاب سے ہٹا دی گئی۔" (۴۳)

یہ ایک معمولی سی مثال ہے۔ اس طرح کے بے شمار قصے گھڑ گھڑ کر امت کے اندر پھیلا دیئے گئے ہیں۔ پچھلی صدیوں میں لاتعداد کتابیں لکھی گئی ہیں جو اس قسم کی بناوٹی کہانیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ ان قصوں اور کرامات کی جعلی داستانوں نے بہت سے لوگوں کو موقع دیا ہے کہ وہ ان کے ذریعہ مذہب کی دکانیں قائم کریں۔ کیونکہ عوام بہت جلد طلسماتی قصوں کے فریب میں آجاتے ہیں۔

---

# فارم IV

دیکھو رول نمبر ۸

ماہنامہ الرسالہ۔ جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ۔ دہلی

۱۔ مقام اشاعت جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

۲۔ وقفہ اشاعت ماہانہ

۳۔ نام پرنٹر (طابع) ثانی اثنین خاں
قومیت ہندوستانی
پتہ جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

۴۔ نام پبلشر (ناشر) ثانی اثنین خاں
قومیت ہندوستانی
پتہ جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

۵۔ نام ایڈیٹر (مدیر مسئول) ثانی اثنین خاں
قومیت ہندوستانی
پتہ جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ۔ دہلی ۶

۶۔ نام اور پتہ مالک رسالہ ثانی اثنین خاں
جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

میں ثانی اثنین خاں تصدیق کرتا ہوں کہ جو تفصیلات اوپر دی گئی ہیں، میرے علم و یقین کے مطابق صحیح ہیں۔

ثانی اثنین خاں
یکم مارچ ۱۹۷۸ء
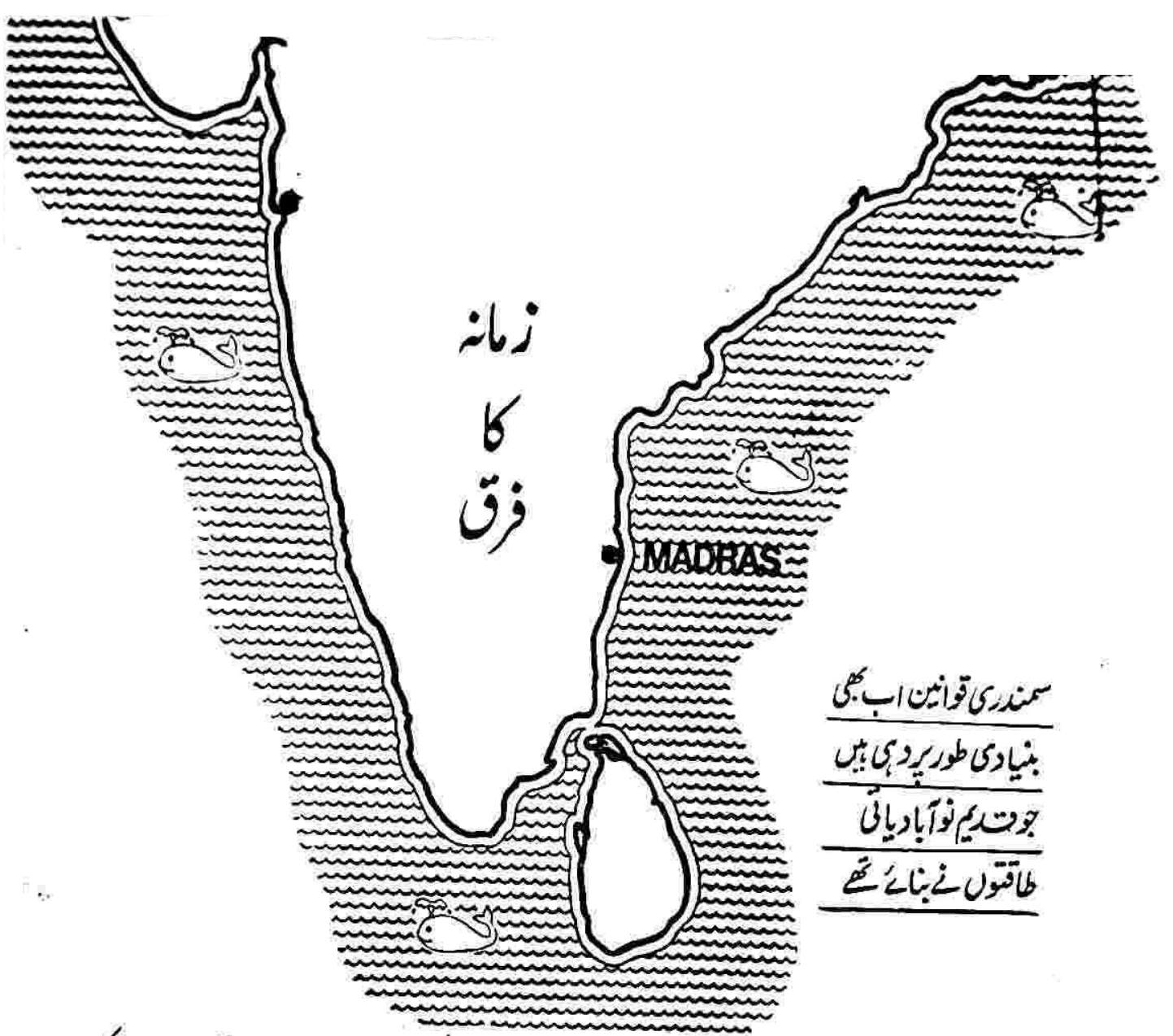
سمندری قوانین اب بھی
بنیادی طور پر وہی ہیں
جو قدیم نوآبادیاتی
طاقتوں نے بنائے تھے

قدیم زمانہ میں سمندروں کی حدبندی کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ بحری طاقت وجود میں آنے کے بعد یہ مسئلہ پیدا ہوا۔ طے کیا گیا کہ کسی ملک کی سرحد سے تین میل تک کا سمندری پانی اس کا علاقائی پانی شمار ہوگا۔ تین میل کی حد اس سادہ سے حساب پر مقرر کی گئی تھی کہ ساحلی توپوں کی مار تین میل تک جاتی ہے۔ اس وقت سمندر زیادہ سے زیادہ کسی دشمن کے لئے آبی سڑک کا معنی رکھتی تھی۔ اس لئے سرحدی ریاستوں نے اتنے فاصلے کو کافی سمجھا جو جنگی جہازوں کے حملے سے انھیں محفوظ رکھے۔

موجودہ زمانہ میں سمندری ساحل نے نئی اہمیت حاصل کرلی ہے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ سمندر کے نیچے قیمتی معدنیات خصوصاً پٹرول کے ذخائر موجود ہیں۔ اس لئے اب ملکوں کو فکر ہوئی کہ اپنے ساحلی علاقوں میں اضافہ کریں۔ ایشیا اور افریقہ کے ممالک کی آزادی کے بعد سے مسلسل یہ مسئلہ نظرثانی کے لئے اٹھایا جاتا رہا ہے۔ مئی ۱۹۷۶ میں نیویارک میں ۱۵۰ قوموں کی کانفرنس اس مسئلہ پر ہوئی۔ ہندوستان اور دوسری زیر ترقی اقوام کی طرف سے یہ تجویز تھی کہ علاقائی منطقہ (TERRITORIAL ZONE) کو تین میل سے بڑھا کر بارہ میل کردیا جائے۔ اور اسی کے ساتھ ساحلی ریاستوں کی خشکی کی سرحد سے دو سو میل تک کے پانی کو اقتصادی منطقہ (ECONOMIC ZONE) قرار دیا جائے جس میں ان ریاستوں کو سمندری ذرائع کے خصوصی استعمال کا حق ہو۔ تاہم یہ تجویز نیویارک کانفرنس میں منظور نہ ہوسکی

# ایک سفر

جنوری ۱۹۷۸ کے دوسرے ہفتہ میں برہان پور کا سفر ہوا۔ ۷ جنوری کی شام کو برہان پور پہنچا اور ۱۱ جنوری کو دہلی کے لئے واپسی ہوئی۔

برہان پور، دہلی سے ۱۰۵۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ مدھیہ پردیش کے اس تاریخی شہر کی بنیاد پانچ سو سال پہلے شاہان فاروقی کے زمانہ میں ڈالی گئی تھی۔ موجودہ آبادی تقریباً سوا لاکھ ہے جس میں نصف سے کچھ کم مسلمان ہیں۔ یہاں کے خاص کاروبار دو ہیں۔ ایک بیڑی۔ دوسرا پاور لوم کے کپڑے۔ شہر دو حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ ایک طرف مسلمان آباد ہیں۔ دوسری طرف ہندو صاحبان۔ ہندو مسلم تعلقات بہت اچھے ہیں۔ یہاں کثرت سے تاریخی عمارتیں ہیں۔ جامع مسجد بہت بڑی اور انوکھی تعمیر کا نمونہ ہے۔ یہ ۵۰-۱۶۴۶ء میں مکمل طور پر پتھر سے بنائی گئی۔ اس کے اندر عربی کے علاوہ ایک سنسکرت کا کتبہ ہے۔ اس کتبہ میں حمد کے بعد لکھا ہوا ہے —— "جب تک سورج اور چاند ستارے ہیں، شاہان فاروقی کا اقتدار بھی دنیا میں قائم رہے"۔

فقہ کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری اسی شہر برہان پور میں اورنگ زیب کے آخری زمانہ میں لکھی گئی موجودہ محمڈن لا اسی کا خلاصہ ہے۔ اورنگ زیب کے حکم سے شیخ نظام الدین نے چار علمائے جون پور کی مدد سے اس کو مرتب کیا تھا۔ عبدالرحیم خان خاناں ۲۸ سال تک برہان پور کے گورنر رہے۔ اسی زمانہ میں ۱۰۲۵ھ میں ملا عبدالباقی نہاوندی نے مآثر رحیمی تصنیف کی۔ شیخ علی متقی (۹۷۵-۸۸۹ھ) مؤلف کنز العمال یہیں کے رہنے والے تھے۔ برہان پور مغل دور میں دکن کے چھ صوبوں کا صدر مقام تھا۔ اکبر، جہانگیر، شاہجہاں، اورنگ زیب سب یہاں رہ چکے ہیں۔ پندرھویں اور سولھویں صدی میں یہاں شاہان فاروقی کی حکومت تھی جس کا پہلا بادشاہ عادل خاں اول (۱۵۰۳-۱۴۵۷ء) گزرا ہے ——

۱۶۰۱ء میں اکبر نے چاہا کہ دہلی اور دکن کے درمیان سے اس "پتھر کو ہٹا دے"۔ گیارہ مہینے تک اس کی فوجیں یہاں کے قلعہ کا محاصرہ کئے رہیں مگر اس کو فتح نہ کر سکیں۔ آخر میں اکبر نے صلح کی۔ جب اس نے دیکھا کہ طاقت سے وہ اسیر گڑھ کے قلعہ کو فتح نہیں کر سکتا تو اس نے سیاست کے ذریعہ اس کو فتح کیا۔

برہان پور میں کثرت سے تاریخی یادگاریں ہیں جن کو بیان کرنے کے لئے پوری کتاب درکار ہے۔ راقم الحروف کو قلعہ کی مسجد نے بہت متاثر کیا، جہاں میں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ۱۰ جنوری کو عصر کی نماز ادا کی پتھر کی اس مسجد کا سنگ بنیاد ۹۹۲ھ میں رکھا گیا تھا۔ مسجد اب بھی نہایت عمدہ حالت میں ہے۔ ست پڑا پہاڑیوں کے اوپر ۸۵۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع اس وسیع مسجد میں اگرچہ پنج وقتہ نماز نہیں ہوتی، مگر ہم نے اس کو نہایت صاف ستھرا پایا۔

مغل حکومت کی یہ روایت رہی ہے کہ ہمایوں سے لے کر اورنگ زیب تک تمام مغل شہزادے خود اپنے باپ کے خلاف بغاوت کرتے رہے۔ اورنگ زیب تخت نشین ہونے سے پہلے برہان پور کا گورنر تھا۔ اس نے ۱۰۶۹ء میں اپنے والد شاہجہاں سے بغاوت کی۔ اس واقعہ کا فارسی کتبہ قلعہ میں لگا ہوا ہے۔ ایک شعر یہ ہے:

چو شاہزادہ اورنگ زیب دیں پرور
گرفت جائے پدر را بہ قوت شمشیر

برہان پور میں کچھ باذوق لوگوں نے حلقہ نیرنگ خیال کے نام سے ایک تنظیم قائم کی ہے۔ اس تنظیم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی خاص نظریہ سے بندھی ہوئی نہیں ہے۔ وہ فکری توسع کی قائل ہے۔ لوگوں میں آزادانہ غور وفکر کا مزاج ابھارنا چاہتی ہے۔ راقم الحروف کے پاس تنظیم کی طرف سے دعوت نامہ موصول ہوا جس میں لکھا گیا تھا:

"تقریباً تیرہ سو برس پہلے ایک عظیم سانحہ کربلا میں گزرا تب سے آج تک علمار کرام نے اس پر بہت کچھ لکھا اور اپنی تقریروں میں بہت کچھ کہا اور ہر سال کسی نہ کسی صورت میں اس کی یادگار منائی جاتی رہی ہے — اور رہے گی۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ واقعہ یا حادثہ اسی ردعمل کا محتاج تھا جو ہمارے سامنے ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ کوئی آج کا محقق "روایتی نقطۂ نظر سے ہٹ کر" اس موضوع

"شہادت عظمیٰ اور اس کا ردِّعمل"

پر اپنی محققانہ تقریر میں اس انداز سے روشنی ڈالے کہ اسے ہر قوم اور ہر مذہب خیال کے لوگ اگر نہ مانیں تو کم از کم سوچنے کے لئے ایک نئی راہ نکل آئے۔

اس سلسلہ میں جب غور کیا گیا اور ایک قابل، عالم، مدبر اور محقق شخصیت کی تلاش ہوئی تو احباب کی غالب اکثریت نے آپ کی شخصیت کی طرف رہنمائی کی۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہ مکتوب آنجناب کی خدمت میں پیش ہے۔ اس توقع کے ساتھ کہ آپ اسے شرف قبولیت بخشیں گے اور ہمیں پہلی فرصت میں بواپسی ڈاک اپنے مثبت جواب سے ممنون فرمائیں گے۔"

عام حالات میں شاید مجھ کو اس موضوع سے دلچسپی نہ ہوتی۔ مگر حلقہ نیرنگ خیال کے دعوت نامہ کی اس بات نے مجھے متاثر کیا کہ وہ "روایتی نقطۂ نظر سے ہٹ کر" اس کے بارے میں کچھ سننا چاہتے ہیں۔ میں نے دعوت قبول کرلی۔ اور ۸ر جنوری کی شام کو شہادت حسین کے موضوع پر میری تقریر ہوئی۔ بھرے ہوئے پنڈال میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شریک تھے۔ اجتماع کے اگلے دن شہر کی ایک ممتاز شخصیت ڈاکٹر جی۔ آر۔ گپتا میری قیام گاہ پر تشریف لائے اور کہا "آپ نے جو باتیں کہیں، مجھ کو بہت ٹھیک لگیں۔ یہی بات اگر سب مولوی کہنے لگیں تو مسلمان ترقی کر جائیں"

۸ر جنوری کے اجتماع کے علاوہ دو نشستیں اور ہوئیں۔ ایک رؤسار شہر کی جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شریک تھے۔ دوسری مقامی جماعت اسلامی کی طرف سے اس کے دفتر میں۔ قیام کے دوران میں غیر رسمی طور پر کثرت سے لوگوں سے گفتگوئیں ہوتی رہیں۔

قدیم زمانہ میں برہان پور پارچہ بافی کا اتنا بڑا مرکز تھا کہ اس کے کپڑے بیرونی ممالک کو برآمد ہوتے تھے۔ سر ٹامس رو

---

टेवरनियर ने अपनी दूसरी बार की यात्रा के वर्णन में लिखा है –

"...... ........... It has a large castle still standing in the middle of the town and it is there that the Governor resides. The Government of this province is so important that it is conferred only upon a son or an uncle of the king, and Aurangzeb, who now reigns, was for a long time Governor of Burhanpur during the reign of his father .............. ..." (1657 A.D.)

نے یہیں شاہزادہ جہانگیر سے ملاقات کی تھی۔ علمی حیثیت سے اس کا یہ مقام تھا کہ شیخ علی متقی کے استاد کا انتقال مکہ میں ہوا تو ان کی تاریخ وفات "شیخ مکہ" سے نکالی گئی۔ مغل حکمرانوں کے نزدیک برہان پور کی سیاسی اہمیت اتنی زیادہ تھی کہ بادشاہ کا بیٹا یا کوئی قریبی رشتہ دار ہی یہاں کا گورنر بنایا جاتا تھا۔ آج اگرچہ یہ چیزیں موجود نہیں ہیں۔ تاہم یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہاں کی پچاس ہزار مسلم آبادی، امکانی طور پر، اس پوزیشن میں ہے کہ ہر قسم کی ترقی کا بہترین نمونہ بن سکے۔ دینی ترقی اور دنیوی استحکام دونوں کے لئے نہایت کامیاب منصوبہ بندی کے امکانات یہاں موجود ہیں۔ مگر یہ امکان واقعہ بننے کے لئے ابھی کسی آنے والے دن کا انتظار کر رہا ہے۔

پنجاب میل میں میری کیبن میں میرے علاوہ جو تین آدمی تھے، ان میں ایک صنعت کار تھے۔ اور دو سرکاری افسر۔ ان لوگوں نے ملک کے بگاڑ اور بھرشٹاچار پر گفتگو شروع کی۔ تینوں نہایت جوش و خروش کے ساتھ ثابت کر رہے تھے کہ ملک میں ہر سطح پر بگاڑ اور بدنظمی عام ہو چکی ہے۔ صنعت کار، مزدوروں کی یونین بازی اور حکومت کی غلط پالیسیوں کی تفصیل بیان کر رہا تھا۔ سرکاری افسران اپنے شعبوں میں وزیروں کی مداخلت اور نیتاگردی کے تجربات گنا رہے تھے۔ ایک نے کہا: "خرابی کی اصل وجہ یہ ہے کہ آج کسی افسر کو نہ اچھے کام کا انعام ملتا ہے نہ برے کام کی سزا۔ اس لئے وہ سوچتا ہے کہ جو ہو رہا ہے ہونے دو"۔ دوسرے نے کہا: آج کل سرکاری افسروں کا حال یہ ہے کہ کام کرنے کے بجائے اپنے کو بچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ پہلے یہ کہا جاتا تھا کہ:

ISSUE CLEAR INSTRUCTIONS

(واضح احکام دو) اب ہمارے ہمدرد ہم کو یہ سکھاتے ہیں:

ISSUE VAGUE ORDERS

(مبہم احکام جاری کرو) یہ باتیں پورے زور شور سے جاری تھیں اور میں خاموش سامع بنا ہوا سوچ رہا تھا۔ جس ملک میں پیداوار تیار کرنے والوں اور انتظامیہ چلانے والوں کا یہ حال ہو، اس کا مستقبل میں کیا انجام ہوگا۔

## ایک واقعہ

اکتوبر ۱۹۷۵ میں یہ خبر آئی تھی کہ فیروز رستم جی دارو والا نے اپنا ایک گردہ حمید دلوائی کو دے دیا تاکہ ان کی صحت کو بچایا جا سکے۔ ۳۴ سالہ دارو والا جو ابھی غیر شادی شدہ تھے، ۳۱ دسمبر ۱۹۷۵ کو انھیں یروادا جیل میں پھانسی دے دی گئی۔ جو لوگ حمید دلوائی سے اختلاف رکھتے ہیں، وہ شاید یہ سمجھیں کہ ایک "دشمن اسلام" کی مدد کرنے کے نتیجہ میں دارو والا کو یہ سزا ملی۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ دارو والا پر یہ الزام تھا کہ انھوں نے ۷ فروری ۱۹۷۱ کو ایک پارسی خاندان کے چار افراد کو قتل کر دیا ہے۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۷۱ کو مقدمہ کا فیصلہ ہوا اور دارو والا مجرم قرار دیئے گئے۔ یہ واقعہ جو "گردہ دان" سے چار سال پہلے واقع ہوا تھا، اسی کے جرم میں دارو والا کو پھانسی دی گئی۔

اکثر خارق عادت واقعات اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ تاریخ، مقام، اشخاص وغیرہ کے تعینات کے بغیر مجہول شکل میں بیان کئے جاتے ہیں۔ اگر تعین کے ساتھ بیان کیا جائے تو تحقیق کے بعد فوراً ان کی حقیقت کھل جائے گی۔

# "ظہور اسلام" کا آخری صفحہ

پوٹاشیم سائنائڈ (POTASSIUM CYANIDE) ایک سفید چمک دار کیمیکل ہے۔ وہ مختلف صنعتوں میں استعمال ہوتا ہے، اگرچہ سستے سوڈیم سائنائڈ کی دریافت نے اس کے صنعتی استعمال کو کم کردیا ہے۔ اسی کے ساتھ پوٹاشیم سائنائڈ ایک انتہائی طاقت ور زہر ہے۔ اس کا کھانا فی الفور موت کا باعث ہو جاتا ہے۔

سائنس دانوں کو خیال ہوا کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اس کا مزا کیا ہے۔ مزہ معلوم ہونے کے لئے اس کو کھانا ضروری تھا۔ بالفاظ دیگر کوئی شخص اپنے کو ہلاک کرکے ہی دوسروں کو خبر دے سکتا تھا کہ اس کا مزہ کیا ہے۔

ایک شخص نے طے کیا کہ وہ اس خدمت کو انجام دے گا۔ اس نے ایک ہاتھ میں پوٹاشیم سائنائڈ لیا اور دوسرے ہاتھ میں قلم۔ زہر کو کھانے کے بعد اس نے اس کا مزا لکھنا چاہا۔ اس نے صرف ایک لفظ ایس (S) لکھا تھا کہ اس کا خاتمہ ہوگیا۔ انگریزی میں ایس کے حرف سے دو لفظ بنتے ہیں۔ ایک سویٹ (میٹھا) دوسرا سالٹ (نمکین)۔ دوبارہ سوال پیدا ہوا کہ مرنے والے کی مراد میٹھے سے تھی یا نمکین سے۔

اب ایک اور شخص اٹھا۔ اس نے کہا کہ میں زہر کو کھاؤں گا اور "ایس" کو چھوڑ کر اگلا حرف لکھوں گا۔ اگر ڈبلیو (W) لکھوں تو سویٹ سمجھنا اور اگر اے (A) لکھوں تو سالٹ۔ اس نے دوسری بار زہر کو چکھ کر قلم کو حرکت دی۔ حرف "اے" لکھ کر اس کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اس طرح دنیا نے جانا کہ پوٹاشیم سائنائڈ کا مزہ نمکین ہے۔

اس قصہ کو یہاں نقل کرنے کا مقصد ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ میرا لڑکا ظفر الاسلام خاں (پیدائش ۱۹۴۸) جو اس وقت لیبیا میں ہے، اس نے مجھے خط لکھا کہ میرا ارادہ ہے کہ لیبیا کا کام چھوڑ کر ہندستان واپس آجاؤں اور ماہنامہ الرسالہ اور الدار العلمیہ کے تحت آپ احیائے اسلام کی جو کوششیں کر رہے ہیں، اس میں آپ کی مدد کروں۔ میں نے جواب میں مذکورہ بالا قصہ کا حوالہ دیتے ہوئے ظفر الاسلام کو لکھا:

> تمھارے باپ نے ایک بار "پوٹاشیم سائنائڈ" کھاکر "ایس" لکھا ہے۔ اگر تم دوسری بار اس کو کھاکر اگلا حرف "اے" لکھنے والے بننا چاہتے ہو تو آجاؤ۔

اسلام کا احیاء موجودہ زمانہ میں کچھ زندگیوں کی قیمت مانگتا ہے۔ جانوں کی نہیں، حوصلوں اور تمناؤں کی۔ "ظہور اسلام" اس امید میں شائع کی جارہی ہے کہ وہ کچھ لوگوں کو اس قربانی کے لئے آمادہ کرے گی۔ اگرچہ اس قسم کی امید قائم کرنا بڑی جرأت کا کام ہے۔ حوصلوں اور تمناؤں کی قربانی، جانوں کی قربانی کے برعکس، ہمیشہ کمیاب تھی اور اب تو شاید وہ نایاب کے درجہ میں پہنچ چکی ہے۔

وحیدالدین

۱۹ جنوری ۱۹۷۸

مؤلف :
مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۲۴۰ — قیمت مجلد مع پلاسٹک کور بارہ روپے

قیمت مجلد بغیر پلاسٹک کور دس روپے

## دین کی حقیقت، تعلیمات قرآن کی حکمتیں، سیرت رسول کا انقلابی سبق موجودہ زمانہ میں اسلام کے مسائل، دین کا تجدید و احیار امت مسلمہ کی تعمیر، دعوت اسلامی کے جدید امکانات —

ان موضوعات کے گہرے مطالعہ کے لئے "الاسلام" پڑھئے۔
جدید سائنٹفک اسلوب میں، نہایت دلچسپ اور معلومات سے بھرپور۔

قارئین الرسالہ کے مسلسل اصرار پر قیمت میں غیر معمولی کمی
تاجروں اور ایجنٹوں کے لئے خصوصی کمیشن

## کتاب کی روانگی کا خرچ ادارہ کے ذمہ ہوگا

الدار العلمیہ، جمعیۃ بلڈنگ. قاسم جان اسٹریٹ، دہلی-۶

Single Copy Rs 2.00

Regd. No. D (D) 532
Regd. R.N. No. 28822/76
MARCH 1978

AL-RISALA MONTHLY
JAMIAT BUILDING, QASIMJAN STREET, DELHI-110006 (INDIA)



محمد احمد پرنٹر پبلشر مسئول نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر "دفتر الرسالہ" 1502 قاسم جان اسٹریٹ